۷۸۶

انسان کی حیاتِ صالحہ

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

ناشر

شاہین بک سینٹر

دہلی۔

ہماری مطبوعات مندرجہ ذیل اداروں سے طلب کریں

- شیخ محمد عثمان اینڈ سنز ایکس چینج روڈ سرینگر
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اُردو بازار دہلی ۶
- مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات۔ اردو بازار دہلی۔ ۶
- اسٹار بک سینٹر آصف علی روڈ نئی دہلی۔
- موڈرن پبلشنگ ہاؤس دریا گنج نئی دہلی
- آہلووالیہ بک ڈپو تورو ہنک روڈ نئی دہلی۔
- ادبی دنیا مٹیا محل دہلی۔ ۶
- کتب خانہ انجمن ترقی اُردو۔ جامع مسجد دہلی۔
- دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ
- نصرت پبلشرز امین الدولہ پارک لکھنؤ
- عثمانیہ بک ڈپو چت پور روڈ۔ کلکتہ
- دارالاشاعت اسلامیہ کولوٹولہ۔ کلکتہ
- بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ
- پرویز بک ہاؤس سبزی باغ پٹنہ
- کتاب منزل سبزی باغ پٹنہ

بار اوّل	نومبر ۱۹۸۸ء
باہتمام	محمد اقبال
تعداد	ایک ہزار
قیمت	سترہ روپیہ ۱۷/
ناشر	شاہین بک سینٹر دہلی

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب
ایکس چینج روڈ سری نگر کشمیر

انسان کی حیاتِ صالحہ

اور

اس کی طبعی عمر

دنیا معدوم تھی، وجود میں آئی، پھر معدوم ہو جائے گی۔ نباتات، حیوانات، معدنیات کا وجود صفحہ ہستی پر نہ تھا۔ خدا نے ان کو پیدا کیا اور وہی ایک دن ان کو اُلٹ بھی دے گا۔ دنیا کے نشیب و فراز مٹ جائیں گے اور خدا اور خدا کے فرشتے ایک ہموار میدان میں کھڑے ہو کر انسان کے اعمال فاسدہ و صالحہ کا جائزہ لیں گے۔

کلا اذا دکت الارض دکا	جب زمین چور چور کر دی جائیگی اور
دکاً وجاء ربک والملک	تمہارا پروردگار اور اس کے فرشتوں
صفاً صفا (فجر: ۲۲)	کے پرے کے پرے آجائیں گے۔

اعمال صالحہ و اخلاقِ فاضلہ کے قائم رکھنے کے لئے ذوقِ فطری دیا گیا۔ پیمانہ عام قائم کیا گیا۔ خیر و شر کی حد بندی کر دی۔ لیکن کیا تمہارے اعمال کس

- ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڈھ
- سرسید بک ڈپو شمشاد مارکیٹ علی گڈھ
- ایاس ٹریڈرس شاہ علی بندہ روڈ۔ حیدرآباد
- حیدر اینڈ سنس مچھلی کمن حیدرآباد
- اسٹوڈنٹ بک ہاؤس حیدرآباد
- حسامی بک ڈپو مچھلی کمن حیدرآباد
- ادبی مرکز جامع مسجد گورکھپور
- مسکین بک ڈپو موتی ڈونگری روڈ۔ جے پور
- کتاب منزل تاتار پور چوک۔ بھاگل پور
- حنیف بک ڈپو مومن پورہ۔ ناگپور
- لطیفیہ بک ڈپو محمد علی روڈ۔ ناگپور
- نذیر بک ڈپو ٹریپلیکین ہائی روڈ۔ مدراس
- مکتبہ ذکری رام پور (یوپی)
- تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی
- سیفی بک ایجنسی ابراہیم رحمت اللہ روڈ۔ بمبئی
- عثمانیہ بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی
- مکتبہ رفاہِ عام درگاہ بندہ نواز گلبرگہ
- اُردو لائبریری سینٹر سٹی مارکیٹ بنگلور
- ناز کتاب گھر لوٹ کرنجہ۔ اورنگ آباد
- تاج بک ڈپو مین روڈ۔ رانچی

گر محرکات و مسائل عملاً بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی دوسرے خاندان کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ وہ خاندان ان آلاتِ اسلحہ کو لیکر اُٹھتا ہے۔ اور قلعہ فتح کر لیتا ہے۔ دیوار دھم سے گر پڑتی ہے اور چار پشت کے بعد اعمال صالحہ کا گھرانا عموماً دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔

اگرچہ بہت سے خاندانوں کا شرف اس سے زیادہ مدت قائم رہتا ہے اور بہت سے خاندان اس سے پہلے بھی برباد ہو جاتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کی متوسط عمر یہی ہے۔ قرآنِ حکیم اور حدیث و تاریخ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

لیس علی الذین اٰمنوا و	جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا،
عملوا الصالحات جناح	ان پر کوئی گناہ اس چیز کے لئے نہیں ہے
فیما طعموا اذا ما اتقوا و	جسکو انہوں نے کھایا، جبکہ تقوی اختیار
اٰمنوا و عملوا الصالحات	کیا، ایمان لائے اور عمل صالح کیا
ثم اتقوا و اٰمنوا ثم	پھر تقوی اختیار کیا اور ایمان لائے
اتقوا و احسنوا واللہ یحب	پھر تقوی اختیار کیا اور احسان
المحسنین۔	کیا اور خدا احسان کرنے والوں کو
(مائدہ : ۹۴)	دوست رکھتا ہے۔

خدا نے اگرچہ ان مراتب اربعہ کو چند متعین اشخاص کے ساتھ محدود کر دیا ہے لیکن یہ قرآنِ حکیم کا عام انداز ہے کہ باپ کے اعمال کو اولاد کی طرف منسوب کر دیتا ہے اس کے بعد کے تینوں مراتب نیچے کی پشتوں کے ساتھ تعلق

قانون الٰہی سے آزاد ہیں۔؟ نہیں! تمہارے اعمال، تمہارے اخلاق، تمہارے فضائل بھی دنیا کی اور چیزوں کی طرح معدوم تھے۔ قوت صالحہ نے ان کو پیدا کیا۔ مگر وقت و مکان کے لحاظ سے ان میں بھی ایک سلسلۂ وجود و عدم جاری ہے۔

جس طرح دنیا کی ایک عمر ہے، اشخاص کی ایک محدود زندگی ہے، اقوام کے موت و حیات کی ایک مدت ہے۔ یہی حال تمہارے فضائل و مناقب کا بھی ہے حضرت آدم کا سلسلۂ نصب قیامت تک قائم رہے گا مگر نبی آدم کا حسب چار پشتوں سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ ایک شخص جد و جہد کرکے فضائل کا اکتساب کرتا ہے۔ علوم سیکھتا ہے۔ حکومت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ مذہب کا سنگ بنیاد رکھتا ہے۔ اس کا بچہ اس جد و جہد کا ذکر اسکی زبان سے سنتا ہے اس کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ باپ مرجاتا ہے اور وہ انہی طریقوں پر عمل کرتا ہے جن پر باپ نے عمل کرکے یہ بنیاد قائم کی تھی لیکن دیوار میں ذرا سا شگاف ہوجاتا ہے کیونکہ باپ حصول محاسن کا موجد تھا۔ یہ مقلد ہے اور مقلد و مجتہد کا فرق ظاہر ہے۔ دو پشت اس طرح سے گذر جاتی ہے اور شرف خاندانی قائم رہتا ہے۔ تیسری پشت شروع ہوتی ہے اور یہ سلسلۂ خاندان صرف آباؤ اجداد کی سُنی سنائی باتوں کی تقلید کرتا ہے اسلئے شگاف میں اور زیادہ وسعت پیدا ہوجاتی ہے پھر چوتھی پشت شروع ہوتی ہے اور مغرور انسان، آباؤ اجداد کے فضائل اور جد و جہد کا مرقع زریں دیکھتا ہے اور یقین کرلیتا ہے کہ اب یہ وراثت دائمی ہے جد و جہد اور عمل حق کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب قلعہ مستحکم ہوگیا تو پھر فوج کی کیا حاجت ہے؟ بس وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا ہے، یہ خیال دیکھ

عموماً اقوام کی عمر، اشخاص سے زیادہ ممتاز ہوتی ہے۔ یہی حال اخلاق و فضائل کا بھی ہے۔ اشخاص اور اشخاص کے ساتھ ان کے محاسن زندگی بھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن قوم باقی رہتی ہے اور اس کے ساتھ اسکی اخلاقی روح بھی قائم رہتی ہے۔ پس اگر ہم اخلاقی زندگی کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے تمام اعمال صالحہ کو جمہوریت کے قالب میں ڈھال لینا چاہیئے۔ اسلام کے قالب میں فطرتاً یہ روح موجود تھی اس لئے اس کے تمام قوائے طبعی ایک مرکز پر جمع ہو کر جسم کو حرکت دیتے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ نے اس مرکز کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا۔ اس لئے شخصیت نے جمہوریت کی جگہ لے لی۔ اور خلافت نے حکومت کی صورت اختیار کی۔ جب تک بدن میں قوت تھی مرض کے نتائج علانیہ محسوس نہیں ہوئے، لیکن جب جسم کی قوت میں اضمحلال پیدا ہوا تو دفعتاً ظاہر ہو گئے۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ مرض نے رطوبت عزیزی کو خشک کر دیا ہے اور حرارت اصلیہ کا چراغ بجھ گیا۔ اس وقت خدا کا فرشتہ پکارا۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ رطوبت اگرچہ خشک ہو گئی ہے۔ حرارت اگرچہ بجھ گئی ہے۔ مگر جسم باقی ہے۔ اور وہ پھر اسی معجون مرکب سے توانائی حاصل کر سکتا ہے۔

رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آنحضرتؐ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مناقب کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے :۔

انما الکریم ابن الکریم — شریف ، شریف کا بیٹا ،
ابن الکریم ابن الکریم — شریف کا بیٹا، شریف کا بیٹا،
یوسف بن یعقوب — یوسف بن یعقوب ہے۔

یعنی آپ نے کرم کا انحصار چار پشتوں میں کیا جس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت یوسف کے خاندان نے شرافت کی کامل مدت کو پورا کر لیا اور یہی چار پشتوں کی مدت اس کی آخری سرحد ہے۔

ایک بار نوشیرواں نے نعمان سے کہا "کیا عرب میں کوئی قبیلہ سب سے ممتاز ہے"؟ اس نے کہا ہاں! نوشیرواں نے وجہ فضیلت پوچھی۔ نعمان نے جواب دیا جس خاندان میں تین سردار متصل ہوتے چلے آئیں، پھر چوتھے کی باری آئے۔ تو تمام قبیلہ میں وہ خاندان ممتاز خیال کیا جاتا ہے نوشیرواں نے اس خاندان کو طلب کیا تو آل حذیفہ بن بدر الفزاری نے شرافت کی یہ آخری سند پیش کی۔ اگر سلاطین عالم کے خاندانوں پر نگاہ غائر ڈالی جائے تو وہ بھی اسکی تائید کریں گے۔ اور خلافت راشدہ کا دور تو اس کی واضح مثال ہے :۔

خیر القرون قرنی ثم الذین — بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو
یلونھم ثم الذین یلونھم — اسکے بعد آئیں گے پھر وہ جو اسکے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھے دور کا ذکر نہیں کیا کہ فتنہ و فساد کا زمانہ قابل ذکر نہیں۔

اس نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو ساحر، مجنوں، پاگل، اور دیوانہ کہا ہے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی ہیں۔ ان کے ساتھ ہر موقع پر گستاخی کی ہے بلکہ کبھی کبھی خدا کے ان صالح بندوں کو قتل بھی کر دیا ہے۔

لیکن اس سرکش انسان کا خون اس قدر گراں قیمت اور بیش بہا ہے کہ اس نمرود طغیان پر بھی خدا نے اسکی حرمت کو قائم رکھا۔ لیکن جب سرکشی و عصیان نے بہت زیادہ سر اُٹھایا، اور خدا کے دائرہ عفو و کرم سے آگے بڑھ گئی تو قانون الٰہی کو بھی حرکت ہوئی۔ اور خدا نے ظالم قوموں پر اپنی عظیم الشان مخلوقات کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے اس کو بداعمالیوں کی پوری پوری سزا دی۔ ثمود کو زمین نے پیس کر غبار بنا دیا۔ عاد کو ہوا کے جھونکے خس و خاشاک کی طرح اڑا لے گئے۔ قوم لوط کو طوفان کا ریلا تنکے کی طرح بہا لے گیا! وکذالک اخذ ربک ...... الخ

حقوق العباد

لیکن باایں ہمہ خدا نے اپنے حقوق کی حفاظت و احترام کے لئے کبھی بھی ایک قطرہ خون نہیں بہایا۔ خدا نے دنیا کی بڑی بڑی متمرد قوموں کو مٹا دیا۔ ان کی نسل فنا کر دی۔ ان کی یادگاروں کو برباد کر دیا لیکن وہ جس سرزمین پر آباد تھے اسکے دامن پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہ آیا۔

البتہ جب انسان نے حقوق الٰہی کے حدود سے بھی آگے قدم بڑھایا اور خود اپنے بھائیوں کے فطری حقوق کو پامال کرنا چاہا، ان کے ملک چھین لئے ان کی آزادی و خود مختاری سلب کر لی۔ ان کے بچوں کی آزادانہ نشو و نما روک دی

تربیتِ عسکریہ اور قرآنِ حکیم

انسانیت نہایت سرکش اور متمرد ہے، اور اس نے بارہا حقوقِ الٰہی میں دست اندازی کی ہے اس کی عظمت و جبروت کے سراپردہ جلال کو چاک چاک کرنا چاہا ہے۔ اس کے دامنِ توحید پر چنگل مارا ہے اور پتھروں بلکہ کنکریوں تک کو اس کا شریک بنا دیا ہے۔

اس نے خدا کی پاکی و قدوسیت کو بھی اپنے انسانی جذبات کے ساتھ ملوث کرنا چاہا۔ اور اسی کے صالح بندوں کو اس کا بیٹا بنا دیا۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علواً کبیرا۔

اس نے کبھی کبھی غرور و تکبر کے گھمنڈ میں آکر خود اپنا نسب نامہ بھی خدا کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اس طرح اپنے خاندان کو تمام دنیا سے اونچا کرنا چاہا ہے۔! تعالی اللہ عما یشرکون۔

جنگل کے تاریک گوشوں اور پہاڑوں کے تنگ غاروں میں گم ہوگئی البتہ زمانۂ تمدن کی تاریخ نے اس قسم کے سینکڑوں واقعات کو اب تک ازبر رکھا ہے اور اس آموختہ کے یاد کرنے میں سب سے زیادہ زبان تیغ نے مدد دی ہے۔ خون کے دھبوں نے ان کے نقوش رنگین کو کبھی مٹنے نہ دیا۔

DIVIDE AND RULE

تربیت عسکری کے لئے پہلی چیز ایک متحدہ قومیت کا پیدا ہونا ہے محض انسانوں کی ایک بھیڑ سے متمدن فوج نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ قومیت کی روح ایک متحد جماعت پیدا نہ کردے۔ باہمی اتفاق و اتحاد کی زنجیریں سب کے پاؤں میں ہوں کسی ایک مقصد کے عشق اور ایک علم کی اطاعت میں سب کے سب ایک ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو حکومتیں اپنے جبر و استبداد کے قائم کرنے کے لئے کسی قوم کے سپاہیانہ جذبات کو فنا کرنا چاہتی ہیں وہ سب سے پہلے سیاسی فریب دو سائس کے ذریعہ اس میں پھوٹ، نفاق، بغض، کینہ اور باہمی انتقام کے جذبات خبیثہ پیدا کر کے ان کی جمعیت کو توڑ دیتی ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ ان کی قومیت فنا ہو جاتی ہے۔

لیکن اس خدع و فریب کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب قوم میں کچھ لوگ بیدار دماغ، متحرک اعصاب اور مضطرب دل رکھتے ہوں اور سیاست کی چھپی ہوئی چالوں کو زہر آلود اثر سے متاثر ہوتے رہتے ہوں لیکن جب کوئی قوم دل و دماغ کھو کر اپنے سرچشمۂ احساس کو بالکل فنا کر دیتی ہے تو پھر ان فریب کاریوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ سر باز از تلوار سے

ان کی زمینوں پر اپنے عیش و نشاط کے محل تعمیر کئے۔ ان کے جسم سے نکلے ہوئے پسینے اور گردنوں سے بہے ہوئے خون سے اپنی تشنگی ظلم کو تسکین دی اور پوری قوم و ملک کو اپنی قومی عبادت و عظمت کے لئے ایک آلۂ بے جان بنا لیا تاکہ اپنی قدرتی حرکت کو چھوڑ کر صرف انہی کے اشاروں پر حرکت کریں تو اس وقت خدا نے بھی اپنے شکنجۂ عذاب کو پہلے سے زیادہ سخت کیا اور جو سیاست الٰہی پہلے سے قائم تھی اس کا رنگ بالکل بدل گیا۔ پہلے سیاست ربانی کا منصب صرف آسمان و زمین اور ابر و دریا کو حاصل تھا جن کی عذاب کی چکی چند لمحوں کے اندر قوم کی قوم کو پیس ڈالتی تھی۔ مگر اب یہ خدمت خود انسان ہی کو بلکہ صرف انسان کے ہاتھ کی دس انگلیوں کو سپرد کی گئی۔ انسان جب تک خدا کے حقوق کو پامال کر رہا تھا، خدا اپنی عظیم الشان مخلوقات کے ذریعہ سے ان کو عذاب دیتا تھا۔ اب خود انسان کے حقوق روندے جا رہے تھے، اس لئے خدا نے بھی انسانیت کی عزت و احترام کو قائم رکھنے کے لئے خود انسان ہی کو کھڑا کر دیا۔

زمانہ وحشت میں انسان نے کتنے انسانوں کے حقوق پامال کئے ہونگے؟ کتنے انسانوں کو قتل کر دیا ہوگا۔؟ کتنے بچے ذبح کر دیئے ہوں گے؟ کتنی عورتوں کے سر سے چادر عصمت اتار لی ہوگی؟ ان حقوق کے تحفظ کے لئے تلواریں بھی چمکی ہوں گی، نیزوں نے بھی اپنی روانی دکھائی ہوگی، کمانوں کی چرچراہٹ کی آواز سے بھی وحشت کدہ عالم گونج اٹھا ہوگا۔ لیکن تاریخ نے ان واقعات کو یاد نہیں رکھا وہ اس وقت وجود نہ تھی اس لئے وہ بھی ان قوموں کے ساتھ

آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا کا یہ قانون کس طرح کام کر رہا ہے؟

ظلم کی موت ہی سے عدل پیدا ہوتا ہے

لیکن دنیا پر یکے بعد دیگرے متضاد قوتوں نے حکومت کی ہے، رات کے جانے کے بعد ہمیشہ دن جلوہ گر ہوا ہے، تاریکی کے بعد ہمیشہ روشنی چمکی ہے، سیاہی کے بعد ہی سفیدی نے ظہور کیا ہے۔ یہی حال حکومتوں اور سلطنتوں کا بھی ہے جب ایک ظالم حکومت مٹتی ہے تو اس کی جگہ اسی وقت ایک عادل سلطنت قائم ہو جاتی ہے۔ ظلم کا جانا ہی عدل کے ظہور کا پیام ہے اور رات اگر ختم ہو گئی ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ دن آ گیا۔

جب جابرانہ قوموں کی قوت فنا ہو جاتی ہے، تو ایک عادلانہ نظام قائم ہو جاتا ہے۔ فرعون کی جابرانہ سلطنت کا زوال ایک دوسری قوم کی عادلانہ حکومت کا مقدمہ تھا، اس لئے خدا نے فرعونیوں کی ہلاکت کے ساتھ ہی عدل الٰہی کے قیام کا بھی مژدہ سنا دیا۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین ونمکن لهم فی الارض و

اور ہم اپنے دائمی قانون کی بنا پر چاہتے ہیں کہ جو لوگ ہماری زمین میں کمزور بنا کر ایک مدت تک رکھے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو دنیا کی پیشوائی عطا فرمائیں بڑی بڑی طاقتور قوموں کے تخت و تاج کے وارث ہوں اور ان کی بادشاہت زمین پر قائم ہو جائے۔ فرعون و ہامان اور ان کی لشکروں قوم کو انکی

اس کے نقشِ وجود کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔

دنیا کی ملکی تاریخیں اس قسم کی بہت سی مٹی ہوئی قوموں کو نمایاں کر سکتی ہیں لیکن مذہبی تاریخ واقعات میں تسلسل و نظام اور ترتیب نہیں ڈھونڈتی وہ دنیا کو محض عبرت کا افسانہ سناتی ہے۔ اس لئے وہ صرف ایک اہم اور کثیر النتائج واقعہ کا انتخاب کر لیتی ہے، جو تمام دنیا کے لئے مجموعہ عبرت ہوتا ہے، اور اسکو بار بار دنیا کے آگے پیش کرتی رہتی ہے۔ اس اصول کی بنا پر اس نے ہم کو حرف فرعون کے مظالم کی داستان سنائی ہے جس کا انتہائی ظلم و عدوان یہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کے اندر پھوٹ اور نا اتفاقی ڈال کر حکومت کرتا تھا اور ایک گروہ کو ضعیف اور دوسرے کو قوی رکھتا تھا۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم (۴:۲۸)	فرعون نے خدا کی زمین میں سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں میں پھوٹ ڈال کر انکو گروہ در گروہ بنا دیا۔ وہ ان میں سے ایک جماعت کو کمزور رکھتا اور ابھرنے نہ دیتا۔

مذہبی حکومتوں کے سوا ظلم پر دنیوی سلطنت کا سایہ خمیر ہے اور با وجود مختلف قسم کے مظالم کے وہ اپنی زندگی کے وہ دن پورے کر لیتی ہیں جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دیئے ہیں، لیکن جب کوئی سلطنت ظلم کو اس انتہائی درجہ تک پہنچا دیتی ہے کہ انسانی حقوق کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، تو یہ اسکی زندگی کا آخری دن ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا تاج و تخت الٹ دیا جاتا ہے اور وہ صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی ہے۔

ماتم کرنے، بے بسی کی چیخیں مارنے اور پٹنے لُٹنے کے لئے تھے، وقت آتا ہے کہ احسان الٰہی کے سزاوار ٹھہرتے ہیں۔ اور کمزوری کی جگہ طاقت کے لئے، بیکسی کی جگہ فرمانروائی کے لئے، رونے کی جگہ خوشیوں کے لئے، ماتم کی جگہ عیش و کامرانی کے لئے اور پٹنے کی جگہ لوٹنے کے لئے تمام عالم میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ قوت فرعونی کی جگہ قوت موسوی کی تلوار آن کی آن میں دنیا کو پلٹ دیتی ہے اور صدیوں کی گری ہوئی قوم پھر جاہ و جلال و بادشاہی کے ظہور و قیام کے لئے دنیا کی وارث اور خلیفہ بنا دی جاتی ہے۔

تربیت عسکری :

لیکن جس طرح تلوار کی آخری ضرب [illegible] غلامی کی شاہ رگ کو کاٹ دیتی ہے اسی طرح اس کی پہلی جنبش تخت و تاج [illegible] و قائم بھی کر دیتی ہے حکومت و سیاست کا سرچشمہ ہے اور سیاست کی پہلی اینٹ تلوار ہی سے رکھی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے تاج و تخت کے بدلے اور بنو اسرائیل کی حکومت قائم کرنے کے لئے ایک ہی برہنہ تلوار کا ظہور دنیا میں نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے دیکھو کس طرح ان کو بچپن ہی سے صداقت جنگ کے شدائد و مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنایا اور طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈال دیا؟ ابھی انہوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا ماں کے آغوش محبت سے جدا ہو گئے۔ اور جس آغوش کی محبت سے زمین پر رینگنے والے کیڑے بھی محروم نہیں رہتے۔ اللہ کی حکیمانہ مشیت نے اپنے رسول اولوالعزم کو اس سے محروم کر دیا۔ دریائے نیل کی طوفان خیز موجوں

نری فرعون وھامان طرف سے جس چیز کا کھٹکا تھا اور جس کیلئے وہ انہیں وجنودھما منھم ما کانوا کمزور رکھتے تھے، وہی ان کے سامنے لائیں یحذرون (۴ : ۲۸) گے

انقلاب قوت وضعف :

یہ تو سلطنتِ فرعونی کے انقلاب کی سرگذشت تھی۔ لیکن غور کرو کہ اس آیت کریمہ کے اندر قرآنِ حکیم نے کس طرح اپنے ایک قانون الٰہی کی خبر دے رہی ہے؟ وہ بتلاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ وجلال کی نمائش گاہ ہے اور کمزوروں کی ہلاکت کا مقتل ہے۔ طاقتور قومیں کمزوروں کو اپنا غلام ومحکوم بناتی ہیں۔ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈالتی ہیں، ان کے مختلف فرقوں اور مختلف گروہوں کو باہم ملنے نہیں دیتیں۔ کیونکہ اگر وہ مل کر ایک ہوجائیں تو پھر کمزور نہ رہیں۔ اور اتفاق و یگانگت کی طاقت اعلیٰ ظالموں کا تخت و تاج الٹ دے۔ یہی حال مصر میں بنی اسرائیل کا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا ایک مستثنیٰ قانون بھی ہے، اور خدا کے زبردست ہاتھ کی گاہ گاہ چمک جانے والی حرکت بھی ہوتی ہے جب ظلم وطاقت کے شیطان کا غرور حد سے بڑھ جاتا ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا طاقت والوں کی جگہ کمزوروں کا گھر بنا دی جاتی ہے اور وہی زمین جو کمزوروں کے لئے قتل گاہ تھی، طاقت والوں کی تباہی وہلاکت کا تماشا گاہ بن جاتی ہے پس اس دن چھوٹے بڑے کئے جاتے ہیں اور بڑوں کو چھوٹا بنایا جاتا ہے وہ کہ کمزور کر دیئے گئے تھے، وہ کہ بے کس اور بے نوا تھے، وہ کہ صرف رونے

ان فرعون وھامان ر ان کا دشمن اور سرمایہ رنج وغم بنے بیشک
جنودھما کانوا خاطئین۔ فرعون، ہامان اور ان کا لشکر غلطی پر تھا۔
(۲۸ : ۷) جبکہ اپنے دشمن کو اپنے گھر کے اندر پال رہا تھا۔

آغازِ کار

اس کے بعد آزمائش و ابتلا کے متعدد موقع پیش آئے۔ انہوں نے ایک ظالم شخص کو عین حالتِ ظلم میں قتل کر دیا۔

ودخل المدینة علی حین اور جب کہ تمام لوگ غافل تھے موسیٰ علیہ السلام
غفلة من اھلھا، فوجد فیھا شہر میں آئے اور اس میں دو آدمیوں کو جھگڑتے
رجلین یقتتلن: ھذا من ہوئے دیکھا۔ ان میں ایک آدمی ان کی قوم کا
شیعتہ وھذا من عدوہ تھا اور دوسرا ان کے دشمن کے گروہ کا۔ جس
فاستغاثہ الذی من شیعتہ کو دیکھ کر ان کی قوم کے آدمی نے دشمن کے مقابلے
علی الذی من عدوہ، کو گرہ کی فریاد کی۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے آ
موسیٰ فقضیٰ علیہ۔ قال کر ایک گھونسہ مارا کہ وہ مر گیا۔ یہ حال دیکھ
ھذا من عمل الشیطان کر وہ گھبرا گئے کہ شیطان نے مجھے مصیبت میں
انہ عدو مضل مبین پھنسا دیا۔ بے شک شیطان گمراہ کن
(۲۸ : ۱۴) دشمن ہے۔

اب خدا نے ظلم و فساد اور انسانی عبودیت و غلامی کی سرزمین سے ان کو دور کرنا چاہا، کیونکہ ضرورت تھی کہ وہ کسی آزاد مقام پر رہ کر آنے والے وقت کے لیے تیار ہو جائیں۔ پس وہ نکلے اور ایک طرف خدا کی رہنمائی کے

کی آغوش میں انہیں ڈالدیا گیا۔ کہ ایک دن دریا کے طوفان ہی میں سے ان کو اپنی راہ نکالنی تھی۔

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین (۷ : ۲۸)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ اسکو دودھ پلائے اور اگر فرعون کے ظلم کی وجہ سے اسکی جان کا خوف ہو تو دریا میں ڈالدے اور کسی کا خوف یا غم نہ کرے۔ ہم پھر اسکی گود میں اسکے لخت جگر کو واپس کردینگے اور اسکو اپنا پیغمبر بنائیں گے

حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنے لختِ جگر کو دریا کی لہروں کی آغوش میں ڈالدیا لیکن نیل کی لہریں اس امانتِ مقدس کو اور کہیں نہیں لے گئیں اسی کے محل تک بحفاظت پہنچا دیا جسکے سرغرور کو کچلنے کے لئے ایک دن یہ شیرخوار بچہ اٹھنے والا تھا۔ پھر محل فرعونی کی عورتوں کو ان پر مہربان کردیا۔ انہوں نے اپنے بچوں کی طرح خاص شاہی محل کے اندر پرورش کی اور ان کی والدہ ہی ان کی دایہ قرار پائیں۔ اس میں اللہ کی بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کی پرورش شاہی محل میں ہوگی تو بادشاہوں کے جاہ جلال باطل کا رعب انکے دل سے نکل جائے گا۔ اور بچپن ہی سے شاہانہ زندگی سیاست و ملک داری کے طریقے اور ظالمانہ حکومتوں کے تمام اسرار و خفایا اُن پر منکشف ہوجائیں گے

فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا و حزنا

پھر اس کو آلِ فرعون نے دریا سے نکال لیا اور اس بچے کو پرورش کیا تاکہ آگے چل کر وہ

انهم کانوا قوما فاسقین (۳۱ : ۲۸) کے ارکان سلطنت کے لئے یہ دو نشانیاں دی گئی ہیں۔

سپہ سالار جنگ

فوج کی تنظیم و تربیت کے لئے جس سپہ سالار کی ضرورت تھی وہ تمام آلاتِ حرب سے مسلح ہوگیا لیکن وہ جن لوگوں سے اپنی فوج کو مرتب کرنا چاہتا تھا وہ خود گرفتار زندان معیبت تھے اس لئے اس نے اپنا پہلا مطالبہ جو فرعونی گورنمنٹ سے وہ اسی فوج کی رہائی کا مطالبہ تھا:

ان ادوا الی عباد اللہ انی لکم رسول امین (۱۷ : ۴۴) خدا کے ان بندوں کو میرے حوالے کر دو میں تمہارے پاس ایک امانت دار پیغمبر بن کے آیا ہوں۔

داخلی تبلیغ:

لیکن فرعون نے جیسا کہ تمام ظالم بادشاہوں کا طریقہ ہے اللہ کے اس الٰہی مطالبہ کو رد کر دیا۔ پس ضرور ہوا کہ اب کچھ دنوں تک مصر ہی میں رہ کر بنو اسرائیل کی تربیت و تعلیم کا انتظام کیا جائے اور صدیوں کی محکومی و غلامی نے جس درجہ ان کے قومی قوٰی کو معطل کر دیا ہے اسی درجہ کی قوی و موثر تعلیم کے ذریعہ ان میں حریت و استقلال کے عزائم پیدا کئے جائیں۔

پس حکم الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کی داخلی تبلیغ میں مشغول ہوگئے اور بنو اسرائیل کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس تیاری کا طریقہ اور اس کے اصول جو قرآن حکیم نے بتلائے ہیں ہم کسی دوسری صحبت میں ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔

سہارے پر چل کھڑے ہوئے۔

فلما توجہ تلقاء مدین جب موسیٰ مصر سے نکل کر مدین کی طرف
قال عسیٰ ربی ان یہدینی روانہ ہوئے تو کہا کہ خدا مجھ کو ضرور سیدھا
سواء السبیل (۲۱ : ۲۸) راستہ دکھائے گا۔

درس گاہِ مدین :-

خدا نے ان کی رہنمائی کی، اور بخط مستقیم ان کو ایک صالح بندے کی آغوشِ تربیت میں ڈال دیا۔ وہاں انہوں نے کامل آٹھ سال تک آزادی کی ہوا میں اپنے جذبات حفظ و وقار صالح کو نشو و نما دی۔ پھر جب پلٹے تو فرعون کے تاج و تخت اُلٹنے کے تمام ساز و سامان نصرت سے مسلح تھے۔

وان الق عصاک فلما رآھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ اقبل ولا تخف انک من الآمنین اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائہ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پھینک دو، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے عصا پھینک دیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پھر اس طرف رخ نہ کیا ہم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے بڑھو، مطلق خوف نہ کھاؤ، تم محفوظ رہو گے، پھر ہم نے حکم دیا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈالو، وہ چمکتا ہوا نکلے گا۔ تمہارے خدا کی طرف سے فرعون اور اس

اور ایک ہزار کے اختلاف سے اسکی حقیقت نہیں بدل جاتی سامان جنگ کے عدم وجود کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ چاہے تو ایک انسان کے اندر چمک کر اسے ایک ہزار انسانوں پر غالب کر دے :-

یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون (۸ : ۶۶)

اے پیغمبر مسلمانوں کو جہاد کے لئے اُبھارو اگر تم میں بیس آدمی بھی صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سو آدمی بھی صبر کی طاقت رکھتے ہوں گے تو کفار کی ایک ہزار جمعیت پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔

عزم و استقلال اور صبر و توکل کی طاقت صرف افراد کی کثرت سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کو آزادی کی زندگی ہی پیدا کرتی ہے جو قوائے انسانی کی نشوونما کی فطری تربیت گاہ ہے۔

لیکن آزادی ایک ایسا جوہر ہے جو کبھی تو اس قدر ارزاں ہوجاتا ہے کہ ہر ریگستان کے چمکتے ہوئے ذرے میں مل سکتا ہے اور کبھی اس قدر گراں قیمت ہوجاتا ہے کہ صرف تاج شاہی کے ٹکے ہوئے موتیوں میں اسکی جھلک نظر آتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہوئے تھے اس کے اندر یہ جوہر یک قلم مفقود ہوگیا تھا۔ فرعون کی غلامی نے اس کے تمام شریفانہ جذبات فنا کر دیئے تھے۔ اس نے کبھی حکومت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ دعوت کی طاقت نے

پہلی فوجی نمائش :

جب ایک اچھی مدت اس پر گذر گئی تو حکم الٰہی ہوا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس تیار کردہ فوج کی حرکت شروع ہو جائے یس پہلی منزل یہ ہے کہ اب فرعونی گورنمنٹ کے ساز و سامان اور احکام و قوانین کی بالکل پروا نہ کرو۔ وہ بنو اسرائیل کو اپنی غلامی سے نکلنے نہیں دیتی۔ مگر تم اس کو اپنے ساتھ لیکر راتوں رات نکل کھڑے ہو۔ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ لیکن عذاب الٰہی بھی اس کے تعاقب سے غفلت نہیں کرے گا :

فاسر بعبادی لیلا انکم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ
متبعون (۲۲ : ۴۴) کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔

انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل کی، اس طرح فوج کے لئے جس اجتماع و انضمام کی ضرورت ہوتی ہے اس کا قوام تیار ہو گیا۔

روح عسکری :-

لیکن فوج صرف آدمیوں کی اس صف ہی کا نام نہیں ہے جو میدان جنگ میں دیوار کی طرح کھڑی کر دی جاتی ہے بلکہ جس طرح دنیا کی ہر حقیقت مادہ و قوت سے مرکب ہے اسی طرح فوج بھی جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے یہ روح تلواروں کے چمکتے ہوئے جوہر میں نہیں مل سکتی۔ اس کا آشیانہ شمشیر اور کے خود میں نہیں ہے۔ وہ حلقہ دار زرہ کے جال میں مرغ رشتہ بپا کی طرح گرفتار نہیں ہے۔ اس نے ان تمام قیود سے آزاد ہو کر صرف سپاہیوں کے دل ہی کو اپنا گھر بنایا ہے اسی گوشہ میں اسکی معجزانہ طاقت کی کارفرمائیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ فوج کی تعداد کی کمی بیشی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ایک سو

علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا و اتکم مالم یؤت احدا من العلمین۔ یا قوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خاسرین (۵:۲۲)

پیغمبر پیدا کئے تھے، اب تم کو بادشاہ بناتا ہے اور وہ عظمت عطا فرماتا ہے جو ابتک کسی کو بھی نہ دی تھی پس عزم اور ہمت کرو۔ اور ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ اسکی حکومت صرف تمہاری ہی قسمت میں لکھدی گئی ہے۔ اور ہرگز بزدلوں کی طرح پیٹھ نہ پھیرو اس کا نتیجہ بجز ناکامی و محرومی کے کچھ نہ ہوگا۔

لیکن یہ امتحان ایک ایسی قوم کے لئے سود مند نہ ہوسکا جو صدیوں سے غلامی کی لعنت میں گرفتار تھی بنو اسرائیل کی بزدلی نے نہایت مایوسانہ جواب دیا۔

قالوا یموسیٰ ان فیھا قوما جبارین وانا لن ندخلھا حتی یخرجوا منھا فان یخرجوا منھا فانا داخلون (۵:۲۵)

ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ارض مقدس میں ایک نہایت ہیبتناک قوم رہتی ہے۔ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ وہ اپنے سازو سامان اور طاقت سے ہمیں پیس ڈالیں گے جب تک کہ وہ ملک سے خود بخود نہ ہٹ جائیں ہم اس کا رخ نہ کریں گے۔

اس داخلہ سے محض شاہی جاہ و جلال کا منظر دکھانا مقصود نہ تھا بلکہ بنو اسرائیل کی قدیم کھوئی ہوئی عظمت کو خلافت الٰہی کی صورت میں قائم کرنا تھا اور خلافت الٰہی کے قائم کرنے کیلئے جس قسم کی شجاعت درکار ہوتی ہے اسکو صرف

مومنین بالغیب کا ایک چھوٹا سا گروہ ضرور پیدا کر دیا۔ جس نے حریت صادقہ کی روح سے معمور ہو کر فرعون کو للکارا تھا:

فاقض ما انت قاض، انما جو حکم چاہو ہمارے لئے دو۔ تمہاری حکومت زیادہ
تقضی ھذہ الحیوٰۃ الدنیا سے زیادہ اس دنیاوی زندگی ہی کا فیصلہ کر سکتی
(۲۰:۷۵) ہے کہ ہمیں قتل کر دے اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟

لیکن یہ بھی صرف نور ایمان کی ایک جدید روح کی صدا تھی جس نے غلاموں کے ملک میں حریت کا غلغلہ بلند کر کے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ ورنہ بنو اسرائیل کے حلقہ سے اس قسم کی صدائیں بلند نہیں ہو سکتی تھیں۔

جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض

پس اس بنا پر بنو اسرائیل کی فوجی تعلیم و تربیت کے لئے وہی قدرتی مرکز موزوں تھا جہاں انسان نے سب سے پہلے آزادی کی ہوا کھائی ہے۔ یعنی آبادیوں اور بستیوں سے الگ کوئی صحرا اور میدان جہاں نہ کسی کی حکومت ہو نہ کسی انسان کا حکم۔ آزاد چڑیوں کے غول ہوں اور خود مختار پرندوں کے جھنڈ۔ اسی کائنات فطری و حقیقی میں رہ کر وہ اپنی گم شدہ حریت کو تلاش کر سکتے تھے۔ جو مصر کی آبادیوں میں کھوئی تھی۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے آنے والے جاہ وجلال اور عظمت کو یاد دلا کر ان کے جذبۂ شجاعت کو تازہ کرنا چاہا۔

واذ قال موسیٰ لقومہ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا
یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ اے لوگو خدا کی نعمتوں کو دیکھو اس نے تم میں

قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی، فافرق بیننا و بین القوم الفسقین (۵:۲۸)

حضرت موسیٰ نے کہا: خداوندا! میں صرف اپنے وجود پر اور اپنے بھائی ہارون پر ہی اختیار رکھتا ہوں اپنی قوم کی بزدلی اور روحانی موت کو کیا کروں؟ اب مجھ میں اور اس بدکار قوم میں علیحدگی کر دے۔

لیکن حکم الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ! تم مایوسی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہو، تمہاری پیغمبرانہ استقامت کی طاقت کو ان مشکلوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ بنی اسرائیل کو مدتوں کی غلامی نے جہاد فی سبیل اللہ کی مقدس راہ سے ناآشنا کر دیا ہے وہ چھوٹی چھوٹی راحتوں کے عاشق ہیں، بڑے مقصد کی راہ میں مصیبت اٹھانے سے جی چراتے ہیں۔ غلامی کی زندگی کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ پس اس سے نہ گھبراؤ اور انہیں یہاں سے نکال کر کسی آزاد و بے قید صحرا میں جا بساؤ، وہاں کی خالص اور فطری آب و ہوا میں ایک زمانہ بسر کریں۔ عہد غلامی کی پرورش یافتہ نسل مٹ جائے ایک نئی مستعد نسل پیدا ہو، پھر وہ راہ جہاد کی مشکلات کو برداشت کر سکے گی۔

قال: فانھا محرمۃ علیھم اربعین سنۃ یتیھون فی الارض فلا تاس علی القوم الفسقین (۵:۲۹)

خدا نے کہا بیت المقدس کا داخلہ ان کے لئے چالیس سال تک حرام ہو گیا۔ اب اسی سرزمین میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ حصول عظمت میں یہ چہل سالہ تاخیر انہی کی بزدلی کا نتیجہ ہے پس ایسے لوگوں کی محرومی پر تمہیں افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔

نورِایمان بھی قائم کرسکتا تھا۔ بنو اسرائیل کے دل اسکی حرارت سے خالی تھے۔
دو مخلص مومنوں نے اپنے نورِایمان کی حرارت سے ان کے دلوں کو گرمانا چاہا۔
قال رجلان من الذین جو لوگ بیت المقدس میں داخل ہونے سے
یخافون انعم اللہ علیھما ڈر رہے تھے۔ انہیں میں سے دو آدمیوں نے
ادخلوا علیھم الباب جن پر خدا نے نورِایمان کے ذریعہ احسان کیا تھا کہا۔
فاذا دخلتموہ فانکم جہاد فی سبیل اللہ سے انکار نہ کرو اور اللہ
غالبون۔ وعلی اللہ فتوکلوا پر اعتماد کرکے ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ
ان کنتم مومنین جب اسکے اندر داخل ہو جاؤ گے تو تم یقیناً غالب
(۲۶ : ۵) ہو گے اگر تم مسلمان ہو تو خدا پر بھروسہ کرو۔
لیکن اس پر بھی ان کے دلوں میں حرارت پیدا نہ ہوئی، اور انہوں نے
صاف جواب دیا۔

قالوا یٰموسیٰ انا لن ندخلھا ابدا ما داموا فیھا، فاذھب انت وربک فقاتلا، انا ھٰھنا قاعدون (۲۷ : ۵)

ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) جب تک وہ طاقتور لوگ اس شہر میں ہیں ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے خدا کے ساتھ جاکر لڑو، ہم اس جگہ بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔

چہل سالہ قیامِ صحرا

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بالکل مایوسی ہو گئی۔ اور انہوں
نے اس بزدل قوم سے علیحدہ ہونا چاہا۔

اسلام کا یہ "قانون اساسی" دنیا کے تمام دیگر قوانین اساسیہ کے خلاف انسانوں کا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اس مقنن اعظم کی تاسیسات ہیں جس کے قوانین فطرت سے دنیا کا ذرہ ذرہ جکڑا ہوا ہے۔ اور جس کے کلمات وسنن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

اس قانون اساسی کے ماوراء جو معاملات ملکی اور امور انتظامی و قانونی ہیں اسلام کا حکم ہے کہ وہ ہمیشہ باہمی مشورہ عامہ سے طے ہوں۔ مسجد نبوی ہماری مجلس شوریٰ تھی۔ مہاجرین و انصار مجلس کے ارکان خاص اور تمام مسلمان اس کے ارکان عام تھے۔ "الصلاۃ جامعۃ" انعقاد مجلس کا اعلان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مشورہ انسانی سے مستغنی تھے۔ وہ بھی برائے تعلیم امت استشارہ فرماتے تھے۔ اور تمام خلفائے راشدین کا اسی پر عمل تھا۔ ہم کو اس مسئلہ میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ خود قرآن حکیم نے اس مسئلہ کو فیصل کر دیا ہے۔

وشاورھم فی الامر (۳: ۵۳) معاملات حکومت میں مشورہ کر لیا کرو۔ دوسری جگہ صحابہ کرام کی توصیف میں خدا فرماتا ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم — ان کے معاملات حکومت باہمی
(۴۲: ۳۶) — مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

پہلی آیت نے حکم دیا، اور دوسری نے اس کی تعمیل کی خبر دے دی۔
پہلی آیت کی تفسیر میں صاحب فتح البیان نے ایک نامور عالم ابن خواز منداد کا یہ قول نقل کیا ہے :-

خلافت راشدہ اسلامیہ کا نظامِ جمہوری

ہر دستوری (مقید بقانون) حکومت کے لئے ایک اصولی قانون ہوتا ہے جو باہمی مشورہ سے منفصل ہو کر آئندہ تمام قوانین کے لئے ایک اصول موضوعہ اور سنگِ بنیاد قرار پاتا ہے۔ یورپ نے اسے [illegible] یا بنیادی دستور اور ہم نے اسے قانون اساسی کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ حکومت [illegible] بنیادی اصول کی متابعت پر مجبور ہوتی ہے۔ اور جتنے قوانین و اصول وضع ہوتے ہیں سب کے سب اسی اولین قانون اساسی کے ماتحت رہتے ہیں۔ اس کی تمام دفعات اصولی و کلی ہوتے ہیں۔ وہ جزئیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہر شاخ حکومت و نظام سلطنت کے لئے اصولی دفعات وضع کر دیتا ہے۔

اسلام کا بھی ایک قانون اساسی ہے یعنی قرآن اور اس کی عملی تفسیر جس کا نام سنت ہے۔ اسی پر تمام قوانین اسلامی کی بنیاد ہے۔

مشورہ کرکے کام کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے:

ما رأیت احدا اکثر مشورة لاصحابه من رسول الله صلعم (رواه الترمذی)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ لیتے نہیں دیکھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو لکھا تھا:۔

ان رسول الله صلعم شاورنا فی الحرب فعلیک به الزمه العمال (ج-۱-ص ۱۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امور جنگ میں ہم لوگوں سے مشورہ لیتے تھے، پس تم بھی ایسا ہی کیا کرو۔

اس حدیث سے نہ صرف آنحضرت کا طرز عمل ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر کا بھی اصول عمل واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر کا دور ہے۔ انہوں نے مہاجرین و انصار کی باقاعدہ مجلسیں قائم کیں۔ ان سے ہمیشہ امور مملکت میں مشورہ لیا۔ عام مسلمانوں کو بھی ہر مسئلہ میں اعتراض کا حق حاصل تھا۔ عہد فاروقی کی تاریخ ان واقعات سے اس قدر لبریز ہے۔ کہ ان کو کسی ایک مضمون میں ضمناً سمیٹنا ممکن نہیں مثلاً چند واقعات حوالہ قلم ہیں:۔

عن ابن شهاب کان عمر بن الخطاب اذا نزل الامر المعضل دعا الفتیان فاستشارهم یبتغی حدة عقولهم۔

زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو نوجوانوں کو طلب فرماتے اور ان سے مشورہ لیتے تاکہ ان کی ذکاوت عقل کا اتباع کریں۔

واجب علی الولاة مشاورة العلماء فیما لا یعلمون وفیما اشکل علیهم من امور الدنیا ومشاورة وجوه الجیش فیما یتعلق بالحرب ووجوه الناس فیما یتعلق بالمصالح ووجوه الکتاب والعمال والوزراء فیما یتعلق بمصالح البلاد وعمارتها (ج۲ ص-۱۳۰ مصر)

حکام ملک پر اُن معاملات میں جنکو وہ نہیں جانتے اور دیگر امور دُنیاوی میں واقف کاروں سے معاملات جنگ میں افسرانِ فوج سے مصالح عامہ میں معززین ملک سے اور معاملات ملکی میں اہل دفتر و حکام و وزراء سے مشورہ کرنا واجب ہے۔

وہ امام یا سلاطین جو حکم شوریٰ کی تعمیل نہیں کرتے، امام قرطبی حسب ذیل فتویٰ ان کے متعلق نقل کرتے ہیں:-

لاخلاف فی وجوب عزل من لایستشیر اهل العلم والدین (فتح البیان ج-۲-ص ۱۲۰)

جو خلیفہ اہل علم و اہل دین سے مشورہ نہ کیا کرے اسکی معزولی کے واجب ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

"الحریت فی الاسلام" کی گذشتہ صحبتوں میں ہم حکم شوریٰ کی تشریح کر چکے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ عمل کی حیثیت سے اسلام نے اس کا کیا نمونہ پیش کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ کی شہادت ہے کہ:-

ما رایت رجلا اکثر استشارة للرجال من رسول اللہ صلعم (رواہ البغوی)

میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی کو اس بارے میں نہ پایا کہ لوگوں سے

ان کی ایک مختصر فہرست ذیل میں ہم پیش کرتے ہیں:

عہد نبوت

طریقۂ اذان، تکذیبِ واقعہ افک، جنگ بدر میں آگے بڑھنا۔ بدر کے کنوئیں پر مقیم ہوتا۔ فدیۂ اسیرانِ جنگ بدر، جنگ اُحد میں مدینے سے نکل کر لڑنا، غزوۂ خندق میں مدینہ کے اندر محصور ہو کر رہنا۔ ایام خندق میں حملہ آوروں سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر صلح کرنے کی بحث۔ حدیبیہ میں جنگ کا مسئلہ وغیرہ۔

عہد خلافت راشدہ

کتابت قرآن، قتال اہل ارتداد۔ جنگ شام، مجوسیوں سے جزیہ لینے کی بحث، ملک عراق و شام کو فوج کی جاگیریں دینے کا مسئلہ، نہاوند کی لڑائی میں حضرت عمر کی شرکت کی بحث، بعض عمال و حکام کا تقرر، امراء فوج کا انتخاب، تقسیم غنیمت، فوج کی تنخواہ، سنہ ہجری کا تعین، غسل جنابت، خبر خراج، ترتیب دفاتر، وبا زدہ ملک میں داخل ہونے کی بحث، تجارت غیر قومی پر محصول، جنگ ازلقہ، بیت المال کا تعلق و تصرف وغیر ذالک۔

اور غیر شخصی حکومتوں میں بڑا فرق یہی ہے کہ شخصی حکومتوں میں ہمیشہ سلاطین و ملوک نے ملک کی آمدنی کو اپنی خاص چیز سمجھا ہے جس پر وہ ہر قسم کا اختیار تصرف و اقتدار رکھتے ہیں۔ اور اپنے فوائد ذاتی سے بچا کر جو کچھ رہا رعایا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس کو اپنا احسان قرار دیتے ہیں لیکن دستوری و جمہوری حکومت کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ محاصل ملکی کو ان کے دست قہر سے

بلاذری جو مشہور مورخ ہے ایک ضمنی موقع پر لکھتا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم ويحدثهم عما ينتهي اليه من امر الآفاق (فتوح البلدان)	مسجد نبوی (صلعم) میں مہاجرین کی ایک مجلس تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ اور ملک کے جو واقعات ان تک پہنچتے تھے ان کو بیان کرتے تھے۔

قرآن و حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ فقہ اسلامی کا تیسرا رکن اجماع ہے جو مشورہ ملت کی سب سے کامل اور محتاط حد ہے۔ یعنی علمائے امت کا کسی مذہبی غیر منصوص مسئلہ پر اور قوم کے ارباب سیاست کا کسی طریقہ سیاست پر اتفاق کرنا۔ آنحضرت نے جماعت کی اکثریت کو ہمیشہ ایک بالاتر جگہ دی کیونکہ فرمایا لا تجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت کبھی بھی ضلالت پر اجماع نہیں کر سکتی کبھی ارشاد ہوا کہ ید اللہ علی الجماعۃ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اس سے تخلف نہ کرو۔ شخصیت کے مقابلہ میں جماعت کی قوت کو قائم کرنا جمہوریت کی اصلی بنیاد ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اس کے لئے تصریح کیا ہو سکتی ہے؟

ان تصریحات کے علاوہ تاریخ و احادیث کے بکثرت واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت باتباع حکم الٰہی اور نیز خلفائے راشدین باقتدائے سنت نبوی ہر امر اہم میں لوگوں سے مشورہ لیتے تھے۔ اور مسائل پر اجماع کرتے تھے۔ مسجد نبوی اسلام کی مجلس عمومی یا سینیٹ تھی۔ اکابر مہاجرین و انصار ارکان خاص، اور عام مسلمان ارکان عام تھے۔ مدینہ کی گلیوں میں الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا انعقاد مجلس کا اعلان کر دیتی۔ اس قسم کی مجلس میں جو واقعات پیش ہوتے

حکومت کو ذاتی ملک نہ قرار دینے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنا جانشین اپنے کسی عزیز کو قرار نہیں دیا۔

خلفائے راشدین بھی اس اسوۂ حسنہ کے بہترین نمونہ تھے، خلفائے اربعہ میں سے کسی کو بھی یہ حق نہ تھا کہ معاوضۂ خدمت ملکی چند درہم ماہوار سے زیادہ حاصل کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے آغاز ایام خلافت میں بھی تجارت کرتے تھے اور اپنے لئے بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔ جب خدمات خلافت کی گراں باری سے مجبور ہو گئے اور تجارت کے لئے وقت نہ نکال سکے تو مسلمانوں کے مشورہ کے بعد خود بھی بقدر احتیاج لینے لگے۔ حضرت عمر بھی بیت المال سے حق مقررہ سے زیادہ نہیں لیتے تھے۔ اور اس حق مقررہ کی بھی خود انہوں نے تفصیل کر دی تھی۔ یعنی گرمی [illegible] جاڑوں کے لئے دو جوڑ کپڑے، ایک متوسط الحال قریشی کی طرح [illegible] و عیال کے اخراجات حج کے لئے سال میں ایک بار سواری اور بس!

ایک بار ایک مسلمان نے حضرت اس [illegible] ان کی اطاعت سے انکار کیا کہ اس کو شبہ ہوا کہ حضرت عمر نے اپنے حق سے زیادہ چادر لے لی ہے [illegible] المال سے ایک اونٹ گم ہو تا تھا تو حضرت عمر (رضی اللہ) گھبرا جاتے تھے کہ میں جوابدہ ہوں۔ کاروبار خلافت کے لئے جب چراغ جلاتے تھے تو فراغت کے بعد فوراً بجھا دیتے تھے کہ اب مجھے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں۔

ایک بار حضرت عمر کی بیوی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما ایک مسلمان قاصد کی معرفت جب وہ خلافت کی طرف سے قسطنطنیہ جا رہا تھا قیصر [illegible]

نجات دلائے، کیونکہ وہ پبلک کی چیز ہے۔ اور پبلک ہی کی ضرورتوں میں اسکو صرف ہونا ہے۔ البتہ رئیس ملک کو اپنی خدمات و انتظام کے معاوضہ میں بقدر ضرورت اس سے دیا جا سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسی مساوات ہے جس کی نعمیں یورپ کی دستوری حکومتوں میں بھی ابتک نہ ہو سکی، اور لاکھوں روپے ہر سال ملوک و سلاطین اور ارکان خاندان شاہی کے اسراف و نشاط کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ ہم الحریت فی الاسلام کے ایک نمبر میں سلاطین یورپ اور پریسیڈنٹ جمہوریت فرانس و امریکہ کی تنخواہوں کا حال درج کر کے اس کا مقابلہ خلفاء راشدین کی تنخواہوں سے کر چکے ہیں۔

لیکن اسلام نے اول ظہور سے اس پر عامل ہے ملک کی آمدنی کو وہ مال اللہ اور پھر مال المسلمین سمجھتا ہے اور اسی لئے خزانہ ملکی کا نام اسکی اصطلاح میں بیت مال المسلمین ہے یعنی تمام مسلمانوں کے مال کا خزانہ!

عہد نبوت میں خراج و جزیہ کی جو رقم ممالک مفتوحہ سے آتی تھی، آپ اس سے صرف اس قدر لیتے جس قدر ایک فقیر الحال شخص ناگزیر ضرورتوں کے لئے لیتا ہے۔ اور تمام رقم ملک کے اہل حاجت کی امداد اور مسلمانوں کی عام ضروریات میں صرف ہوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بادشاہ عرب بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔ اس کے گھر میں مہینوں چولھا نہیں جلتا تھا اکثر راتوں کو چراغ میں تیل تک میسر نہ آتا تھا لیکن خزانہ ملکی سے وہ اس حالت میں بھی ایک پیسہ لینا گوارہ نہ کرتا تھا۔ جب اس نے وفات پائی تو اسکی زرہ ایک یہودی کے ہاں چند سیر جو پر رہن تھی!

اللہ اللہ! آج رعایا گورنمنٹوں سے اپنا حق مانگتی ہے اور نہیں ملتا اور ایک زمانے میں مسلمانوں کو عادت دلائی گئی تھی کہ اگر وہ اپنا حق مانگنا بھول جائیں تو خود بادشاہِ وقت ان کو یاد دلائے کہ تمہیں مجھ سے مطالبہ کرنا چاہیئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی خود اپنے متعلق یہی طرزِ عمل تھا، آخر ایام میں جب اعزہ کے متعلق طرف داری کا میلان ان سے ظاہر ہوا تو فوراً مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ان کی طرف سے مشتبہ ہو گئی۔ حضرت علی علیہ السلام کا بھی بشدت اسی پر عمل تھا۔ عبداللہ بن زمعہ نے جب ان سے بلا استحقاق کچھ طلب کیا تو فرمایا۔

ان هٰذا المال لیس لی و لک وانما هو فیٔ للمسلمین — یہ مال نہ میرا ہے اور نہ تیرا، یہ عام مسلمانوں کی آمدنی ہے۔

(نہج البلاغۃ ص ۴۸۹)

ولید بن عبدالملک دمشق میں جب بے انتہا مصارف سے جامع مسجد بنوا رہا تھا تو مسلمانوں نے فوراً اعتراضات کئے کہ بیت المال کا اس قدر روپیہ کیوں بے کار صرف کیا جا رہا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز سلطنت کے کاغذات دیکھنے کے لئے ایک خاص چراغ رکھتے تھے۔ جس میں بیت المال کا تیل ڈالا جاتا تھا اور اپنے ذاتی مطالعہ کے لئے دوسرا چراغ رکھتے تھے جس میں اپنی ذاتی تنخواہ سے تیل ڈالتے تھے۔

کیا ان واقعات کے بعد بھی اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کا نظام دستوری یا جمہوری نہ تھا؟ کیا اس سے بہتر مثال حکومت عامہ کی کوئی

بیوی کو کچھ تحفہ بھیجا۔ قیصرہ نے رومی قاصد کے ہاتھ ایک گراں بہا ہدیہ حضرت عمر کی بیوی کے لئے بھیجدیا۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو گھر میں تشریف لائے اور وہ گراں بہا ہدیہ لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور فرمایا " یہ عام مسلمانوں کی چیز ہے کیا اس سے پہلے بھی قیصرہ نے تجھ کو ہدیہ بھیجا تھا ؟ "

اس واقعہ سے زیادہ واضح اور زیادہ روشن حضرت عمر کا وہ خطبہ ہے جس میں انہوں نے خلیفہ اور عام اہل ملک کے حقوق مالی کا ذکر کیا ہے :-

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف، لکم علی ایها الناس خصال فخذونی بها لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء الله علیکم الا من وجهه ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقه، ولکم علی ان ازید فی عطایاکم (کتاب الخراج ابو یوسف ص٦٧)

تمہارے مال کی اور میری مثال ایک یتیم کے مربی کی طرح ہے اگر میں مستغنی ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو حسب دستور کچھ کھانے کو لے لوں گا۔ لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مطالبہ کرنا چاہیئے۔ مجھ پر تمہارا حق ہے کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور سے جمع نہ کروں، مجھ پر تمہارا حق ہے کہ جب میرے ہاتھ تمہارا خراج و غنیمت آئے تو میرے ہاتھ سے بیجا طور سے نہ نکلے مجھ پر تمہارا حق ہے کہ میں تمہارے وظائف میں اضافہ کروں۔

اسیرانِ جنگ

(۱)

یورپ نے جب کبھی اپنے تمدنی احسانات کا افسانہ دنیا کو سنایا ہے تو اس کے بااثر بنانے کے لئے "اسلام" اور "غلامی" کی داستان پارینہ کو بھی ضرور دہرایا ہے۔ حالانکہ اس آسمان کے نیچے صرف اسلام ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ "غلامی" کا لفظ کسی حالت میں جمع نہیں ہو سکتا: واللہ یعلم انھم لکذبون!

لیکن اس کے متعلق پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اسلام ہی اس بدعت سیئہ کا موجد ہے؟ کیا دنیا کی دوسری مہذب قومیں فاتحانہ حوصلہ مندیوں کے جوش میں گلا کاٹنا جانتی تھیں لیکن گلے میں طوق ڈالنا نہیں جانتی تھیں۔ دنیا کی قدیم تاریخ اس سوال کا جواب نہایت مایوسانہ اور دردناک الفاظ میں دیتی ہے۔ گذشتہ قومیں اسیرانِ جنگ کو ایسا مجرم خیال کرتی تھیں جن کی حمایت کوئی قانون نہیں

قوم پیش کر سکتی ہے؟ کیا تاریخ ماضی کے خزانہ میں اس سے بہتر کوئی نظیر موجود ہے اور مستقبل کو اس سے بہتر نمونہ مل سکتا ہے۔؟

یہ تو مسلمانوں کی حکومت ماضیہ کا افسانہ تھا جو ان کی مذہبی تعلیمات کی سطح پر ٹھیک تیرہ سو برس ہوئے قائم ہوئی تھی۔ لیکن آج مسلمانوں نے اگر زندگی حاصل کی ہے۔ اگر مذہبی احساس ان میں پھر پیدا ہو گیا ہے اگر جوہر و روح اسلام کے وہ پھر طالب ہیں تو دین کے بعد ان کی سب سے پہلی کوشش دنیا کی صحیح سیاست کے لئے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اسلام نے دین اور سیاست کو الگ نہیں رکھا ہے۔ وہ ایک ہی حقیقت شرعی ہے قرآن حکیم نے احادیث نے، تاریخ اسلام نے ہم کو جس طرز سیاست کی امید دلا رکھا چاہا ہے اسی میں ہمارے لئے زندگی ہے اور اس کے بغیر موت ہے۔

وتمدن کے دربار میں یہ عذر کر دیا کہ یہ لوگ پہلی بار رہا کر دیئے گئے تھے۔ اُنہوں نے پھر دوبارہ جنگ میں شرکت کی، اور یہ خونریزی کسی جرم کا نتیجہ ہے"۔ لیکن یہ عذر نامقبول ہوا اور اس وحشیانہ طرزِ عمل پر عام نکتہ چینی کی گئی اس کے بعد رحمدلی کے جذبات نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ قیدیوں کی جلا وطنی بھی تہذیب کے خلاف سمجھی گئی۔ یہاں تک کہ جب روس نے فرنچ قیدیوں کو سائبیریا کی طرف جلاوطن کر دیا تو اس پر بھی سخت اعتراضات کئے گئے۔

لیکن قدیم علمائے سیاست میں اب بھی یہ امر مختلف فیہ رہا کہ اسیران جنگ کے ساتھ اس قسم کا وحشیانہ سلوک جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اب اگرچہ بہت سے بحث و مباحثہ کے بعد یہ اختلافات مٹ گئے ہیں اور زمانہ حال کے مقننین نے یہ متفقہ فتویٰ دے دیا ہے کہ اسیران جنگ کو ایک محدود زمانے تک کے لئے اگرچہ شرکت جنگ کے خوف سے قید رکھا جا سکتا ہے لیکن ان کو بیچنا، قتل کرنا، غلام بنانا یا کسی قسم کا ضرر پہنچانا کسی حال میں بھی جائز نہیں تاہم یہ مسئلہ اب بھی مختلف فیہ ہے کہ اگر خود قیدی فوج کے کسی سپاہی یا جنرل کو کوئی ضرر پہنچائے یا اس کو حراست میں رکھنا ناممکن ہو جائے تو ایسی حالت میں اس کا قتل جائز ہے یا نہیں؟ بلونٹسکی اور ہافر نے جواز کا فتویٰ دیدیا ہے۔ لیکن عموماً اربابِ سیاست کی رائے یہ ہے کہ اس حالت میں بھی قیدی کو بالکل رہا کر دینا چاہیئے۔ اگر کوئی جنرل شہر یا کسی گاؤں کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا تو اس کے جلانے یا برباد کرنے کا حق اسے حاصل نہیں ہو جاتا پھر جان تو اینٹ پتھر کے ڈھیر سے زیادہ بیش قیمت اور عزیز ہے پس صرف

کر سکتا تھا۔ اور اس لئے عموماً انہیں نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ جنگ کے قیدیوں کے متعلق اشوری، فنیقی، مصری اور یہودی قوموں کا طرزِ عمل یہی تھا۔ بلکہ ان کا دستِ تطاول کبھی کبھی آزاد رعایا کی شاہ رگ تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ فرعون نے بنو اسرائیل کے بچوں کو اسی ظالمانہ طرزِ عمل کی بنا پر ذبح کرنا شروع کیا تھا۔ ایک مدت کے بعد خود غرضی نے اس ظالمانہ نظام میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا۔ یعنی قتل کی جگہ غلام بنانے کا رواج ہو گیا۔ جو فاتح و مفتوح دونوں کے لئے قتل سے بہر حال بہتر تھا۔ سب سے پہلے روما نے اسکی ابتدا کی۔ ابتدا میں جو سپاہی جس شخص کو گرفتار کرتا وہی اس کا مالک ہوتا۔ مگر چند دنوں کے بعد سلطنت روما نے ان کی ملکیت اپنے ہی لئے مخصوص کر لی۔

لیکن روم نے قرونِ وسطیٰ میں پھر اسی وحشتِ قدیم کی تجدید کی، اور اسیرانِ جنگ کی گردنیں غلامی کے طوق سے نکل کر تیغ آزمائیں۔ ساتھ ہی سلطنت کو اسیرانِ جنگ کے متعلق بیع اور غلامی کا بھی عام اختیار حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد خود غرضی نے ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ یعنی فدیہ لینے کا رواج پڑا۔ اسکی بدولت بہت سے جنرل دولت مند ہو گئے۔ اس اصول کو اسقدر ترقی ہوئی کہ فدیہ کی صورت نے ایک مستقل تجارت کی صورت اختیار کر لی اور قیدیوں کے مختلف گروہوں کا خاص خاص نرخ مقرر کیا گیا۔

لیکن آخر زمانہ میں بونا پارٹ نے یافہ میں دو ہزار قیدیوں کو قتل کر کے قدیم خونیں منظر کو پھر نئے آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا اور تہذیب

اب وہ قانون بن کر مکمل صورت میں دنیا کے سامنے آگیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تمام مہذب سلطنتیں اس پر عمل کر رہی ہیں۔ اسیران جنگ کے متعلق اسلام کا جو طرز عمل تھا اس پر نظر ثانی ڈالنے سے پہلے اس قانون پر نگاہ ڈال لینی چاہیئے۔

موجودہ قانون اسیران جنگ

اس قانون کے نتائج و دفعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسیران جنگ آزادی کو صرف اس قدر محدود کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فوج میں نہ جا سکیں اسکے علاوہ نہ تو ان کو کوئی سزا دیجا سکتی ہے نہ ان کی توہین کی جا سکتی ہے اور نہ ان پر آب و دانہ بند کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ قیدی کو فاتح کے فوجی نظام کا پابند ہونا پڑے گا۔ اگر اس نے خلاف ورزی کی تو فوجی عدالت سزا دے سکے گی۔

۳۔ قیدیوں کے اسباب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ان کے بدن سے کپڑا اتارا جا سکتا ہے نہ ان کی جیب سے کوئی رقم نکالی جا سکتی ہے اور نہ ان کے زیوروں کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ بوقت اشد ضرورت کے اگر اس پر عمل ناممکن ہو جائے تو اس حالت میں بھی ضروری ہے کہ واپسی کے وقت ان چیزوں کو لازمی طور پر واپس کر دیا جائے جو ان سے علیحدہ کی گئی ہیں لیکن حسن سلوک کے طور پر عموماً افسروں کو تلوار واپس کر دی جاتی ہے اور اب اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔

۴۔ قیدی عموماً کسی محفوظ شہر یا قلعہ یا چھاؤنی میں رکھے جاتے ہیں ان کے

اس عذر کی بنا پر کہ قیدی قابو میں نہیں رہتا، اس کا قتل کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

عام قیدیوں کے متعلق موجودہ قانون جنگ نے یہ نیا خانہ وسعت حاصل کی ہے لیکن جب وزراء اور سلاطین واُمراء دشمن کے ہاتھ آجاتے ہیں اور وہ بھی قیدیانِ جنگ میں محسوب ہوتے ہیں تو اس کی فیاضی کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ عام قیدیوں کی طرح برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ عموماً تمام سلطنتوں نے ان کے حفظِ مراتب کا خیال رکھا ہے۔ جرمنی کی فوجوں نے جب سیدان میں نپولین ثالث شاہ فرانس کو گرفتار کیا تو اس کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا تھا اور اس کے رہنے کے لئے خاص ایک محل خالی کر دیا تھا۔ روس نے بھی امیر شامل جرمنی کی عزت و توقیر کو قائم رکھا تھا۔ اور انگریزوں نے اگرچہ جزیرہ سینٹ ہیلانا میں نپولین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا لیکن زولوں کے سردار اور ٹرانسوال کے جنرل کرونجی کے ساتھ حالتِ قید میں وہ بھی نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے تھے۔

لیکن تمدن و تہذیب کی وسعت کے ساتھ جنگ کی خونی چادر کا دامن بھی وسیع ہوتا گیا۔ اور اس کے تمام نتائج کی ترقی کے ساتھ قیدیوں کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ پہلی جنگ جرمنی و فرانس میں صرف فرانسیسی قیدیوں کی تعداد تین لاکھ بیاسی ہزار تک پہنچ گئی تھی، جن میں ۱۱۱۶ افسر بھی شامل تھے۔ اس بنا پر اسیرانِ جنگ کے متعلق ایک خاص قانون بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

البتہ اب اس کی نگرانی سختی کے ساتھ کی جائے گی۔

لیکن اگر تمام قیدی بھاگنے کی سازش کرلیں اور اس کا راز طشت از بام ہوجائے، تو پھر ان کو ہر قسم کی سخت سزا یہاں تک کہ پھانسی بھی دی جاسکتی ہے۔

۹۔ کوئی قیدی دوسرے قیدی کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر کوئی قیدی بھاگ جائے تو اس کے دوسرے ساتھیوں سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔

۱۰۔ اگر قیدی عدم شرکت جنگ کا حتمی وعدہ کرلیں تو ان کو اثنائے جنگ میں بھی رہا کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ اپنے وطن واپس جاکر دوسرے سیاسی مشاغل میں مصروف ہوسکتے ہیں۔ نیز دوسرے ملکوں سے جنگ بھی کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ملک اس سلطنت کا حلیف نہ ہو جس نے ان کو رہا کیا ہے لیکن اگر قیدیوں نے بدعہدی کی تو اس جرم میں پھانسی تک دی جاسکتی ہے۔ قیدی جس حکومت کی رعایا ہیں اگر وہ فوج کے اخلاقی حقوق کا بھی لحاظ رکھتی ہے تو انہیں خدمت فوجی سے مستثنیٰ کردے گی۔ اور اگر اس کا قانون اس قدر فیاض نہیں ہے تو قیدیوں کو وظائف عسکری سے انکار کرنے پر سزا دے سکتی ہے بایں ہمہ اخلاقی حیثیت سے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ ولایات متحدہ امریکہ نے اس مسئلہ میں دوسرا طرز عمل اختیار کیا ہے۔ یعنی اگر وہ قیدیوں کے قول و قرار کا احترام نہیں کرسکتی تو انہیں قیدی بناکر اس حکومت کے پاس واپس کردیتی ہے۔ جس نے ان کو رہا کیا ہے اگر اس نے قیدی بنانے سے انکار کیا تو پھر ان پر اس معاہدہ کی پابندی باقی نہیں رہتی۔

لئے ایک محدود مقام متعین کر دیا جاتا ہے۔ اس میں سیر و تفریح کی بھی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن گنتی کے وقت فوراً حاضر ہو جانا چاہیئے۔

۵۔ افسروں کو عام قیدیوں سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے۔ قیدی کو بھاگ جانے کے خوف سے یا قانونِ جنگ کی خلاف ورزی کرنے پر جیل خانے میں بھی قید کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کو مجرموں سے علیحدہ رکھا جائے گا۔

۶۔ اگر متخاصمین میں شرائط مقرر ہو گئے ہیں تو ان کے مطابق کھانے پینے کے بارے میں قیدیوں سے عمدہ سلوک جائے گا۔ لیکن اگر اس قسم کے شرائط مقرر نہیں ہوئے ہیں تو جو خوراک فاتح فوج کو ملتی ہے وہی قیدیوں کو بھی دی جائے گی۔ اور صلح وغیرہ کے وقت تک مصارف کا بار فاتح ہی کے خزانے پر ہو گا۔

۷۔ دیانت اور شرافت کا اقتضا یہ ہے کہ قیدی کو اپنے ملک و قوم کے خلاف شریک جنگ ہونے پر اور اپنی فوج یا اپنے وطن کے افشاء راز کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ قیدیوں سے اس قسم کے آسان کام لیے جا سکتے ہیں جو سخت تکلیف دہ اور پرخطر نہ ہوں، اور جنگ سے غیر متعلق ہوں۔ نیز فوجی عزت کو ان سے صدمہ نہ پہنچے۔

۸۔ قیدیوں کا بھاگ جانا کوئی جرم نہیں ہے۔ البتہ ان کے گرفتار کرنے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ یہاں تک کہ حالت فرار میں گولی بھی ماری جا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ بھاگ کر اپنی فوج سے مل گیا اور دوبارہ گرفتار ہو گیا تو اس جرم پر کہ پہلے بھاگ گیا تھا کوئی مزید سزا نہیں دی جا سکتی۔

سوئٹزرلینڈ کی آخری بین الملی کانگریس نے اپنا ایک پورا اجلاس انکی تکمیل میں خرچ کیا ہے۔

اس قانون کو پیش نظر رکھ کر اب چاہیئے کہ اسلام کے اس طرز عمل اور سلوک کی تفتیش میں نکلیں جو اس نے اسیران جنگ کے ساتھ کیا ہے۔ اور جس سے کہ ہم ایک اسلامی قانون اسیران جنگ کا استنباط کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک مختصر اور اجمالی نظر عرب جاہلیت کی حالت بھی ڈال لی جائے۔ کیونکہ اسلام کا منبد ظہور وہی ملک اور وہیں کی آب وہوا کی نشو ونما تھی۔

اہل عرب اور اسیران جنگ

اسلام کے زمانے تک ... مہذب قوموں میں فدیہ لیکر اسیران جنگ کے رہا کر دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ لیکن عموماً ایک انتقام کیش عرب جاہلی بغض و کینہ کے جذبات پر مال و دولت کو قربان کر دیتا تھا۔

چنانچہ ایک عورت کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بھائی عمرو اسکے دوسرے مقتول بھائی کا خوں بہا لے کر صلح کرنا چاہتا ہے تو اس نے طنز آمیز لہجے میں انتقام لینے پر بیٹے کو اشتعال دلایا۔

ودع عنك عمرا ان عمرا مسالم
وهل بطن عمرو غير شبر لمطعم

عمرو کا ذکر نہ کرو، وہ آمادہ صلح ہے۔ عمرو کا پیٹ ہے تو بالشت بھر کا مگر پھر بھی نہیں بھرتا۔ اس لئے وہ دیت لینا چاہتا ہے:-

۱۱۔ قیدیوں کے مبادلہ سے قید کی پابندیاں اٹھ جاتی ہیں اور قیدی بالکل آزاد ہو جاتے ہیں۔ مبادلہ بالکل اختیاری ہے اور رہا شدہ قیدیوں کے متعلق بہ صراحت طے کر لینا چاہیئے۔ کہ وہ دوبارہ فوج میں شامل ہو سکیں گے یا نہیں؟

مبادلہ میں قیدیوں کے مدارج کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے افسر کا افسر کے بدلے میں۔ زخمی کا زخمی کے بدلے میں۔ مریض کا مریض کے بدلے میں مبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز ایک افسر کا مبادلہ متعدد چھوٹے درجے کے سپاہیوں کے عوض کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ اختتام جنگ کے ساتھ ہی قید کی مدت بھی ختم ہو جاتی ہے اور تاوان جنگ یا کسی دوسرے مال کے معاوضہ میں قیدی رہا کر دیئے جاتے ہیں۔

(از تاریخ علم الحقوق مصطفیٰ رشید پاشا)

(۲)

گذشتہ نمبر میں ان قوانین و دفعات کا خلاصہ ہم درج کر چکے ہیں جو اسیرانِ جنگ کے متعلق آج یورپ کے ادعاء تمدن و تہذیب کا (بشرطیکہ موجودہ عالمگیر جنگ کے بعد یہ ادعاء باقی رہا ہو) سدرۃ المنتہیٰ ہے اور جس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا یہ دفعات گذشتہ چالیس سال کے اندر بتدریج قرار پائے ہیں، اور

قالوا یا لنھاب و یا سبایا   وابنا با لملوک مصفد ینا

یعنی عام لوگ تو مالِ غنیمت اور معمولی قیدیوں کو لے پلٹے، مگر ہم بادشاہوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر لائے لہ

لونڈیوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا تھا یہاں تک کہ قید کی حالت میں ان سے ہر قسم کا تمتع جائز سمجھا جاتا تھا۔ عمرو بن عمرد نے جب قبیلہ بنو علیس کے بہت سے قیدی گرفتار کئے تو ایک نوخیز لڑکی سے نا جائز تمتع بھی کیا۔ اسی بنا پر فرقہ شعوبیہ نے (یہ فرقہ عرب کا دشمن تھا) عرب پر فسادِ نسب کا الزام لگایا ہے۔ کیونکہ وہ قیدی عورتوں سے جبراً علائق پیدا کرتے۔ صاحب عقد الفرید اور ابن قتیبہ نے اسے بالتفصیل لکھا ہے۔

اسلام اور اسیرانِ جنگ

اسلام دنیا میں آیا تو پہلے معرکۂ جہاد ہی میں اس کے سامنے اسیرانِ جنگ کا مسئلہ پیش ہوا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ستر قیدی پیش کئے گئے تو ان کے بارے میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا انہوں نے فدیہ لے کر رہا کر دینے کی رائے دی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ انہوں نے کہا کہ دشمنانِ حق کو فدیہ لے کر چھوڑنا بے جا ہے ہر مسلمان شخص کو چاہیے کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے عزیزوں کو قتل کرے ...

لہ اس حصے کے لئے بلوغ الارب۔ ذکر ایام العرب از ص ۶۱ تا ص ۸۳ کا مطالعہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ اس میں احوال جاہلیت کے اکثر مطالب یکجا کر دیئے ہیں۔

فان انتم لم تثاروا و تدیتم
فمشوا باذان النواء المعلم

پس اگر تم لوگ خون کا انتقام نہیں لیتے۔ بلکہ خوں بہا لیتے ہو، تو جاؤ ہر جگہ ذلت و خواری کے ساتھ رسوا پھرو۔۔!

اس بنا پر اہل عرب اسیرانِ جنگ سے فدیہ بہت کم لیتے تھے اور اکثر نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالتے۔ حرب کلاب میں جب کندہ کا سردار گرفتار ہوا تو قیس بن عاصم نے پہلے اپنی کمان سے اسکے دانت توڑ ڈالے پھر اپنے سردار نعمان بن عباس کے بدلے میں اسے قتل کر ڈالا۔ بنو ضبہ نے جب محرق غنانی اور اس کے بھائی حبیش بن ولف کو قید کیا تو فوراً دونوں کی گردن مار دی۔ عامر بن مالک نے سعید بن زرارہ کے ساتھ اس قدر سختیاں کیں کہ وہ حالت قید ہی میں مر گیا۔ زمانہ اسلام میں حباب کو بھی بنو عامر نے قید کر کے اسی طرح قتل کر دیا تھا۔
پھر اہل عرب اگر قیدیوں کے ساتھ کچھ زیادہ فیاضی کرتے بھی تھے، تو وہ فیاضی یہ تھی کہ ذلت کا ایک داغ دے کر انہیں رہا کرتے!

عوف بن احوص نے معاویہ ابن جون کو گرفتار کیا تو پیشانی کے بال کاٹ کر رہا کیا۔ قبیلۂ بنو یربوع نے جب عرب کے مشہور بادشاہ منذر بن السماء کے بیٹے قابوس کو ایک معرکہ میں قید کر لیا تو اسی قسم کا ذلت آمیز برتاؤ کیا۔

آج مہذب دُنیا حالت قید میں بادشاہوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرنے پر فخر کرتی ہے لیکن اہل عرب ان کی تذلیل و تحقیر کو اپنا مایہ ناز سمجھتے تھے۔ اور یہی عرب کی اصلی فطرت حریت ہے۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے۔

فی الغنائم قبل ان تحل	حلال ہونے سے پیشتر ہی لوگوں نے لوٹنا
لھم فانزل اللہ: لولا	شروع کر دیا۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل
کتٰب من اللہ لمسکم فیما	فرمائی کہ اگر خدا کا حکم پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا
اخذ تم عذاب عظیم	تو جو کچھ تم نے لوٹا ہے اس کی پاداش میں تم پر
ترمذی کتاب التفسیر ص ۵۰۳	بڑا عذاب نازل ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں بربنائے احادیث صحیحہ ہمارا مسلک عام مفسرین کی راہ سے الگ ہے۔ اور اس کی پوری تحقیق سورۂ انفال و توبہ کی تفسیر سے معلوم ہو سکے گی۔

غزوہ بدر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرز عمل رہا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت نے فدیہ پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ چنانچہ آپ نے غزوہ بنی مصطلق میں تمام اسیران جنگ کو فدیے کے رہا کر دیا تھا[1]

فدیہ کا مقصد

اسلام اگرچہ فدیہ کا موجد نہ تھا بلکہ زمانۂ قدیم سے جو رسم چلی آتی تھی وہی جاری رہ گئی تھی۔ بایں ہمہ اسلام کا طرز عمل اس معاملہ میں تمام دنیا سے مختلف تھا۔ اعمال کے نتائج کا اثر خود عمل سے نہیں ظاہر ہوتا بلکہ نیت سے ظاہر ہوتا ہے اختلاف نیت سے ایک ہی عمل کا نتیجہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے گذشتہ قوموں نے فدیہ کی جو رسم قائم کی تھی، اس سے اسیران جنگ پر احسان تو ضرور ہو جاتا تھا لیکن وہ بالکل عارضی تھا۔ انہوں نے مال و

---

[1] ترمذی ص ۲۹۴

ثبوت دے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل فرمایا۔ اور فدیہ لیکر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

مفسرین کرام کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی رائے صحیح تھی وہ کہتے ہیں کہ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر خدا نے یہ عتاب آمیز آیت نازل فرمائی۔

ما كان لنبي ان تكون له اسرى حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة والله عزيز حكيم. لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم. فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا واتقوا الله، ان الله غفور رحيم (انفال)

پیغمبر کے لئے قیدی بنانا اس وقت تک کیلئے جائز نہیں جب تک کہ وہ فرض جہاد کو پوری طرح ادا نہ کرلے۔ تم لوگ دنیوی مال و دولت کے بھوکے ہو اور خدا تو صرف آخرت کا ثواب چاہتا ہے وہ غالب اور حکیم ہے اگر خدا کا حکم پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا تو جو مال تم نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم پر بڑا سخت عذاب نازل ہوتا۔ مگر اب جو کچھ مال غنیمت میں تم نے لوٹا ہے اسکو حلال اور پاک چیزوں کی طرح کھاؤ، بلاشبہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

لیکن ترمذی کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کو اسیران بدر کے فدیہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ مال غنیمت کے متعلق نازل ہوئی ہے:-

فلما كان يوم بدر وقعوا جب معرکۂ بدر پیش آیا تو مال غنیمت کے

بغیر کسی مالی معاوضے کے آزاد کر دیا کرتے تھے۔ قبیلہ بنو مصطلق کے بعض اسیران جنگ سے اگر آپ نے فدیہ لیا تو قیدیوں کا ایک گروہ بلا معاوضہ بھی رہا کر دیا [1]

وکان منہم من من علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہم من افتدی فلم یبق امراۃ من بنی المصطلق الا رجعت الی قومھا۔	ان کے بعض قیدیوں کو آپ نے احساناً رہا کر دیا۔ اور بعض سے فدیہ لیا اس طرح بنو مصطلق کی ہر گرفتار شدہ عورت اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ اور ایک عورت بھی نہ بچی جو قید میں رہ گئی ہو۔

(طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۴۶)

غزوہ دومۃ الجندل

غزوہ دومۃ الجندل میں تقریباً ایک سو بچے اور عورتیں قید کر لی گئی تھیں لیکن جب ابو زید مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے رہا کرنے کی درخواست کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کے ذریعہ حضرت زید بن حارثہ کو حکم دیا:۔

ابن تحلی بینہم وبین حرمہم	ان عورتوں کو بالکل آزاد کر دو۔

(ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۶۴)

بنی تمیم و ہوازن

غزوہ بنی تمیم میں صحابہ گیارہ عورتوں اور تیس بچوں کو گرفتار کر لائے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲۔ ص ۱۱۶

دولت جمع کرنے کا ایک ذریعہ بنالیا تھا۔ قدیم قوموں میں بہت سے جنرل اسی کی بدولت دولتمند ہوگئے۔ لیکن اسلام نے اس کا دائرہ صرف رہائی کے احسان تک ہی محدود کردیا۔ چنانچہ کفار نے جب ایک سردار کی لاش کو فدیہ دیکر واپس لینا چاہا تو آنحضرت نے صاف انکار کردیا تھا[1]۔ اسلام نے اگر فدیہ کو مالی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہوتا تو فدیہ لے کر لاشوں کو واپس کرنا زندہ انسانوں کی واپسی سے زیادہ آسان اور بے ضرر تھا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے اسیران بدر کے متعلق فدیہ لینے کا جو مشورہ دیا تھا، اس سے صرف مالی فائدہ اٹھانا مقصود نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف کہدیا تھا کہ اس سے فوجی مصارف میں مدد ملے گی۔ پس اگر اس آیت کا وہی شان نزول تسلیم کرلیا جائے جس کو حضرات مفسرین کرام نے بنا لیا ہے تو اس سے بھی صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فدیہ کو دنیوی فوائد کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ چنانچہ خدا خود کہتا ہے:-

تریدون عرض الدنیا — تم دنیاوی فوائد چاہتے ہو۔ اور خدا تمہارے

واللہ یرید الآخرۃ — لئے آخرت کا ثواب چاہتا ہے۔

لیکن اس سے فدیہ لے کر بطور احسان رہا کردینے کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور درحقیقت بحث سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

مگر اسلام کا دریائے کرم ان خس و خاشاک کا پابند نہیں ہوسکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے اگرچہ بعض موقعوں پر فدیہ قبول کرلیا تھا لیکن آپ عموماً قیدیوں کو

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ ۔ ق ۱۔ ص ۴۷

حملے کئے ہیں اور وہ گرفتار ہو کر آئے ہیں۔ کفار مکہ کی ایک جماعت نے جو ۸۰ اشخاص سے مرکب تھی۔ عین نماز فجر میں آپ پر حملہ کرنا چاہا اور صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا۔ لیکن آپ نے ان کو بھی بغیر کسی مالی معاوضہ کے بلا تامل آزاد کر دیا[1]

عہد نبوت میں متعدد قبائل کے ڈاکوؤں نے ایک جتھہ قائم کر لیا تھا اور عام طور پر ڈاکہ مارتے پھرتے تھے۔ آپ نے ان کی گرفتاری کیلئے فوج بھیجی مگر جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو سب کو آزاد کر دیا۔ چنانچہ عرب نے انکو عتقاء (آزاد شدہ) کا خطاب دیا آگے چل کر اسی نام سے انہوں نے ایک مستقل قبیلہ کی شکل اختیار کر لی اور بعہد عمرو بن عاص مصر میں آباد ہو گئے۔

واقعہ ثمامہ بن آثال

مالی معاوضہ کی سب سے زیادہ توقع امراء اور رؤسا سے ہو سکتی تھی اسلئے اگر اسلام نے فدیہ کو حصول دولت و مال کا ذریعہ بنایا ہوتا تو وہ سب سے زیادہ امراء کے آگے اپنے دامن کو وسیع کرتا۔ لیکن اس نے امراء کو بھی اسی طرح آزاد کر دیا جس طرح وہ ایک غریب بدوی کو آزاد کر دیتا تھا۔ صحابہ کرام اہل یمامہ کے سردار ثمامہ بن آثال کو گرفتار کر کے لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا اگر آپ قتل کرنا چاہتے ہیں تو میرے پاس رگوں میں خون ہے، اگر احسان کرنا چاہتے ہیں تو میرے پاس

---

[1] مقریزی جلد ۲۔ ص ۷۸

آنحضرت نے ان کو رملہ بنت حارث کے گھر میں بند کر دیا۔ لیکن جب اس قبیلہ کے سردار آئے تو ان کو دیکھ کر قیدیوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو ان کے ساتھ رہا کر کے واپس کر دیا[۱]

غزوہ ہوازن میں علاوہ بہت سے مال غنیمت کے ۶ ہزار زن و مرد گرفتار ہوئے تھے[۲] لیکن جب وہ لوگ مسلمان ہو کر آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور مال غنیمت کے واپس کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "مال اور قیدی دونوں واپس نہیں کئے جا سکتے۔ ایک کو اختیار کر سکتے ہو" ان لوگوں نے قیدیوں کو واپسی کے لئے انتخاب کیا۔ چونکہ تمام تقسیم کر دیئے گئے تھے اس لئے آنحضرت نے ایک خطبہ دیا جس کا مطلب یہ تھا۔

" جو لوگ قیدیوں کو بخوشی واپس کرنا چاہیں وہ واپس کر دیں لیکن اگر کچھ لوگ مالی معاوضہ چاہتے ہوں تو چاہیئے کہ صبر کریں۔ اس کے بعد میرے حصہ میں جو خمس کا مال آئے گا۔ میں اس میں سے ہر قیدی کے عوض ۶ اونٹ دے دوں گا۔"

لیکن تمام صحابہ نے قیدیوں کو بخوشی واپس کر دیا[۳]

قاتلوں کے ساتھ سلوک

بعض حالتوں میں آپ پر دشمنوں نے کمین گاہوں سے نہایت خدا۔

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ ص ۱۱۱

[۲] یہ واقعہ ابو داؤد، بخاری، مسلم سب میں ہے۔

[۳] ابو داؤد۔ جلد ۲۔ ص ۱۰

آستانۂ اسلام اور غلامان عرب

غلاموں کے ساتھ آنحضرت کے اس کریمانہ برتاؤ کی شہرت ہوئی۔ تو شہر مکہ کے بہت سے غلام بھاگ کر آپ کی خدمت میں آ گئے کہ آپؐ کے دامن کرم میں پناہ لیں۔ یہ رنگ دیکھ کر کفار نے آپ کو خط لکھا کہ ان غلاموں کو آپ کے مذہب سے کوئی خوش اعتقادی نہیں ہے صرف آزادی کی کشش انکو آپ کی خدمت میں کھینچ لے گئی ہے"۔ صحابہ نے بھی اسکی تائید کی اور کہا کفار سچ کہتے ہیں آپ ان کو واپس کر دیجئے۔ لیکن آنحضرت صحابہ پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا: اب ان کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خدا کی راہ میں آزاد ہیں[لہ] کفار کا بیان کیونکر سچ ہو سکتا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ان غلاموں کو اسلام سے کوئی خوش اعتقادی نہیں جو اس کے آستانہ کرم پر آزادی کے لئے آئے ہیں لیکن اگر یہ سچ تھا کہ وہ آزاد ہونے کے لئے آئے تھے تو اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ مسلمان ہونے کے لئے آئے تھے۔ کیونکہ اسلام اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ہر طرح کے دماغی اور جسمانی غلاموں کو آزاد کر دینے کے لئے ظاہر ہوا۔؟

اسیران بنو قریظہ:۔

تمام غزوات میں آپ نے بظاہر سب سے زیادہ سختی بنو قریظہ کے ساتھ کی تھی جنہوں نے اپنے تخلف عہد و میثاق سے اپنے تئیں سخت سے سخت تشددات کا مستحق بنا دیا تھا لیکن ان کے قیدی بھی آپ کے لطف و مراعات سے محروم نہ رہے، آپ نے بہت سے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔[ٹہ]

لہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۳ ٹہ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۹

زبان شکر گذار ہے۔ اگر مال چاہتے ہو تو جس قدر مطلوب ہو بآسانی دیا جاسکتا ہے۔" آنحضرت سُنکر واپس گئے اور دوسرے دن پھر یہی سوال کیا، اس نے بھی اپنے پہلے ہی جواب کا اعادہ کیا۔ آپ آج بھی واپس گئے تیسرے دن پھر وہی سوال کیا اس نے پھر وہی جواب دیا۔ آپنے حکم دیا کہ بلا کسی معاوضے کے اسے بالکل آزاد کردو! وہ آزاد ہوکر مسجد سے نکلا۔ توایک کھجور کے درخت کے پاس جاکر پہلے غسل کیا پھر مسجد میں آکر کلمہ توحید پڑھا اور کہا۔

اے محمد (صلعم) خدا کی قسم، دنیا میں میرے لئے تمہارے چہرے سے زیادہ مکروہ کوئی چہرہ نہ تھا۔ لیکن آج مجھے آپ کے رخسار سے زیادہ محبوب نظر آتے ہیں۔ میرے نزدیک تمہارے مذہب سے زیادہ مبغوض کوئی مذہب نہ تھا لیکن آج تمہارا دین مجھے تمام مذاہب سے زیادہ عزیز معلوم ہوتا ہے میں تمہارے شہر سے زیادہ کسی شہر کو قابل نفرت نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن آج تمہارا شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ دلفریب نظر آتا ہے میں عمرہ کی غرض سے چلا تھا کہ راستے میں آپ کی فوج نے مجھے قید کرلیا۔ اب آپ کا کیا حکم ہے؟"

آپؐ نے اسے عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ لیکن جب وہ مکہ میں آیا تو اہل مکہ نے طعنہ دینا شروع کیا کہ "یہ گمراہ ہوگیا" لیکن اس نے کہا "تم غلط کہتے ہو۔ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس مسلمان ہوا ہوں پھر گمراہ میں ہوں یا تم؟ اب جب تک آنحضرت (صلعم) حکم نہ دیں گے، یمامہ سے مکہ میں گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آسکے گا۔

لہ مسلم جلد ۲ - ص ۷۵

وعقائد سے بھی تعرض نہیں کیا۔ مدینہ میں یہود کے مذہبی اثر نے اسقدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ اگر کسی عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ نذر مانتی تھی۔ اگر اس کا بچہ زندہ رہے گا تو وہ اس کو یہودی بنائے گی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہود و بنو نضیر کو جلاوطن کیا تو ان میں اس قسم کے بہت سے بچے بھی تھے انصار نے ان کو روکنا چاہا لیکن اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی[1] — مذہب میں اکراہ و جبر نہیں۔ بلاشبہ اب حق باطل کے مقابلہ میں بالکل واضح و روشن ہو گیا ہے۔

مبادلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ قیدیوں کا مبادلہ بھی کیا ہے۔ ابن سلمہ کا بیان ہے۔

جب قبیلہ بنو فزارہ پر حملہ کیا گیا تو میں اس قبیلہ کی ایک عورت کو گرفتار کر کے لایا اس کے ساتھ اسکی نوخیز لڑکی بھی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر الجیش تھے انہوں نے مال غنیمت کو تقسیم کیا تو وہ لڑکی مجھ کو ملی۔ میں اسکو مدینہ لے آیا بازار میں حسن اتفاق سے آنحضرت کا سامنا ہو گیا۔ آپ نے اس لڑکی کو دیکھ کر فرمایا کہ اس عورت کو مجھ کو ہبہ کر دو میں نے کہا خدا کی قسم میں نے ابتک اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے اور اب اسکو آپ کی نذر کرتا ہوں لیکن آپ نے اس لڑکی کو لے کر اہل مکہ کے پاس واپس بھیجدیا اور کفار نے اسکے عوض میں متعدد

---

[1] ابوداؤد۔ جلد ۲ ص ۹

قیدیوں کی ضروریات

دورِ جدید کے قیاخانہ قانون کی رو سے قیدیوں کے بدن سے زیور یا کپڑا نہیں اُتارا جاسکتا۔ لیکن اسلام کی فیاضی نے صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ خود قیدیوں کو کپڑا بھی پہنا دیا۔ غزوہ بدر میں جب حضرت عباسؓ آپ کے سامنے برہنہ کھڑے ہوئے تو آپ نے انہیں عبداللہ بن سلول کی قمیض لے کر پہنائی یہ اسی احسان کا معاوضہ تھا کہ آپ نے اس کے مرنے کے بعد اپنا کرتہ اُس کے کفن کے لئے دیا تھا۔ قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کی تعداد تقریباً ۶ ہزار تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑا پہنا کر واپس کیا [۱]

اسیرانِ جنگ کے جذبات کی رعایت

قید کی حالت میں جسمانی تکلیفوں سے زیادہ انسان کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے لیکن آج تک دُنیا کی کسی قوم نے قیدیوں کے جذبات کا لحاظ نہیں رکھا صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے جسم کے ساتھ قیدیوں کی روح کو بھی سکھ پہنچایا ہے قید کی حالت میں وہ منظر نہایت دردانگیز اور رقت خیز ہوتا ہے جب بھائی بھائی سے، بیٹا باپ سے۔ شوہر بی بی سے بہ جبر ایک غیر متعین مُدت کیلئے جدا کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام نے قید کی حالت میں ہمیشہ عزیزوں کی باہمی یکجائی سے ان کیلئے تسکین کا سامان مہیا کیا جب حضرت علیؓ نے ایک لونڈی کو اسکی لڑکی سے جُدا کرنا چاہا تھا تو آنحضرت نے ممانعت فرمائی تھی [۲] یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی قیدیوں کے مذہبی جذبات

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۱ [۲] ابوداؤد جلد ۲۔ ص ۱۲۰

والنصیر، لا یصلح الا لک[1] کیا ہے لیکن وہ صرف آپ ہی کے لئے موزوں ہے۔

مطعم بن عدی

آنحضرت احسان کے معاوضے میں بھی قیدیوں کو رہا فرمایا کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں مطعم بن عدی نے آپ کے ساتھ ایک احسان کیا تھا اس کا آپ پر اس قدر اثر تھا کہ جب اسیران بدر آپ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو آپ نے فرمایا اگر مطعم بن عدی آج زندہ ہوتا اور وہ ان قیدیوں کے معاملہ میں گفتگو کرتا تو میں سبھوں کو رہا کر دیتا۔

وحشیانہ مراسم کا انسداد

لیکن سب سے زیادہ آپ نے ان مظالم اور ان ذلت آمیز طریقوں کو مٹایا جو غلاموں کے متعلق تمام عرب میں رائج تھے۔ عرب میں یہ ایک نہایت درد انگیز طریقہ جاری ہو گیا تھا کہ غلاموں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر نہایت بیدردی سے قتل کر دیتے تھے۔ چنانچہ بنو عامر نے حضرت خبیب کو اسی طریقہ سے قتل کیا تھا لیکن آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس ظلم و وحشت کو اڑا دیا۔ لونڈیوں کے ساتھ بغیر انقضاء مدت تک لوگ تعلق کر لیتے تھے یہاں تک کہ حاملہ لونڈیاں بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ لیکن آنحضرت نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی بھی ممانعت فرمائی۔ آپ نے ایک لڑائی میں ایک حاملہ لونڈی کو دیکھ کر فرمایا " شاید اس کے آقا نے اس کے ساتھ یکجائی کی ہے۔ صحابہ نے بھی آپ

---

[1] مسلم جلد ا۔ ص ۵۴۶ کتاب النکاح

مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔

واقعہ حضرت صفیہؓ

اس واقعہ سے ایک دوسرے اہم مسئلہ کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے آنحضرت کے زمانے میں اُمراء کے خاندان کی جو عورتیں گرفتار ہو کر آئیں، ان میں جویریہ اور صفیہ کے ساتھ آپ نے خود نکاح فرمایا۔ کیونکہ وہ اور باتوں کے ساتھ حسن و جمال میں بھی نہایت ممتاز تھیں۔ اس لئے یورپ اسکو بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت قید کی حالت میں بھی شرفاء کی عزت کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے۔ صفیہ پہلے دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں لیکن وہ ایک امیر وقت کے خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک رئیسہ کے حفظ مراتب دحیہ لحاظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ جویریہ اپنے بدل آزادی کے لئے جس طرح پریشان حال پھرتی تھیں، وہ ان کے لئے بھی سخت توہین کا باعث تھا۔ اور صفیہ نے تو خود اس خیال کو ظاہر بھی کر دیا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت نے ان کی اس ذلت کو گوارا نہیں کیا اور خود ان کے ساتھ نکاح کر کے ان کی خاندانی عزت میں اور اضافہ کر دیا۔ چنانچہ آپ کے طرز عمل سے صحابہ کو خود بھی اس کا احساس ہو گیا تھا صفیہ کو ایک شخص کو یہ کہکر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔

یا نبی اللہ! اعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی ان اخطب سید قریظۃ
یارسول اللہ آپ نے صفیہ کو جو حی ابن اخطب سردار قریظہ و نضیر کی لڑکی ہے دحیہ جیسے معمولی شخص کے حوالے

ؔ۱ ابو داؤد۔ جلد ۲ ص ۱۲

دیکھی ہوں گی۔ آج یورپ کا لباس محفل رقص جسکو "فل ڈریس" کا عجیب و غریب لقب دیا گیا ہے:

برعکس نہند نام زنگی کافور

اسی کا بقایا ہے اور اس سے عرب جاہلیت کی رقاصہ لونڈی کے کھلے گریبان اور منظر عریانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بہت سے لوگ جبراً لونڈیوں سے بدکاری کرواتے تھے اور اس طریقہ سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے۔ آج بھی تمام متمدن قوموں میں یہ ہو رہا ہے۔ لیکن اسلام کی اخلاقی تعلیم نے ان تمام وحشیانہ رسموں کو مٹا دیا۔ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو:۔

ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم (۲۴۔ ۳۳)

اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر دنیوی فائدہ کے لئے مجبور نہ کرو۔ جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں۔ اور اگر لوگ ان کو مجبور کرتے ہیں سو اس جبر کے بعد اگر وہ مرتکب زنا ہو جائیں تو خدا بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم والا ہے۔

اس طرح لونڈیوں نے قعر مذلت اخلاق سے نکل کر ایک نئی شریفانہ زندگی کے عالم میں قرآن حکیم کی بدولت قدم رکھا۔ یہاں تک کہ قرآن نے انکو "فتیات" کا خطاب دیا۔ جس کے معنی عربی میں شریف لڑکی کے ہیں۔ لونڈی نہیں کہا۔

کے خیال کی تائید کی۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

همت ان العنه لعنة تدخل معه فی قبره لہ	جی میں آتا ہے کہ اس فعل کے کرنے والے پر ایسی دائمی لعنت بھیجوں جو اسکی قبر تک اسکے ساتھ جائے۔

پھر غزوہ اوطاس میں عام حکم دے دیا۔

لا توطأ حاملة حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضة سلہ	حاملہ لونڈیوں سے وضع حمل کے قبل نزدیکی نہ کی جائے نیز غیر حاملہ عورتوں سے بھی اسوقت تک علیحدگی ضروری ہے جبتک کے ان پر ایک مہینہ طہارت ایام مخصوصہ کا نہ گذر جائے۔

رقاصہ لونڈیاں

زمانہ جاہلیت میں عموماً لونڈیوں سے رقص و سرود کا کام لیا جاتا تھا اور اس قسم کی لونڈیوں کا ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جسکو "قینہ" کہتے تھے اس طبقہ میں وہ لونڈیاں نہایت مؤدب سمجھی جاتی تھیں جو عین محفل کے اندر المسیح مسیح کا حیا سوز موقع دیتی تھیں اسلئے بے حیائی کا اثر ان کی وضع و لباس سے بھی ظاہر ہوتا تھا وہ نہایت ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنتی تھیں اسکا گریبان نہایت کشادہ اور کھلا ہوتا تھا۔ چنانچہ طرفہ نے ان لونڈیوں کا ذکر اپنے مشہور قصیدہ معلقہ میں نہایت تفصیل سے کیا ہے اور ارباب فن کو معلوم ہے۔

عرب جاہلیت کی یہ حالت بعینہ قدیم تمدن روم سے ملتی جلتی ہے جسکی رقاصہ اور مغنیہ عورتوں کے نیم برہنہ لباس کی تصویریں اور تماثیل تم نے

لہ ابوداؤد جلد ا۔ ص ۲۹۲ کتاب النکاح سلہ ابوداؤد جلد ا۔ ص ۲۹۲

یہ سوال اگرچہ زمانۂ قدیم میں بھی فلسفۂ اجتماع کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ رہ چکا ہے لیکن موجودہ عہد سے بڑھ کر اس کے درس کے لئے اور کون وقت موزوں ہوگا؟

فی الحقیقت جنگ و امیدواریٔ صلح عام

جو لوگ دنیا کے [illegible] مسلم [illegible] سمجھتے ہیں ان کا استدلال یہ [illegible]

ہے کہ انسان فطرتاً تعاون و اتفاق کا خواہاں ہے [illegible] اجتماعی [illegible]

دوسرے سے الگ تھلگ رہتا تھا [illegible] دنیا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رنگوں اور مقاصد و اغراض کی یک جہتی نے ان میں باہم کشش پیدا کی اور [illegible]

نقطوں پر آکر باہم مل گئے۔ ایک متمدن انسان اپنے بھائی سے لے کر ایک [illegible]

باشندہ تک تعلقات رکھتا ہے لیکن ان تعلقات میں جو عظیم الشان ارتقا [illegible]

جنگ اور صلح

دنیا کا مادۂ قواءِ متضادہ کا گہوارہ ہے۔ ایک طرف اس کا ایک ذرہ متحرک، پراگندہ، اور ایک عام ہیجان کی حالت میں نظر آتا ہے۔ دوسری طرف وہ منجمد ہو کر سمٹتا ہے۔ سمٹ کے باہم ایک دوسرے سے ملتا ہے مل کر سکون و استقرار حاصل کر لیتا ہے!!

اس بنا پر وہ تمام کیفیات متضادہ کی طرح جنگ و صلح کی بھی یکساں قابلیت رکھتا ہے۔ وہ جنگوں کے اختلال و تصادم کی شکل میں سمندر کی لہر ہے تو صلح و سکون کی حالت میں اس کی سطح صامت و ساکن! لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں سے انسانیت کے بقاء، سعادت ارضی کے حصول، تمدن و تہذیب کی ترقی، علوم و فنون کی اشاعت۔ قومی و جذبات کی تنشیط اور قوت عمل کی تنظیم و تحریک کے لئے کون زیادہ مفید ہے؟

وحشت کی تجدید کی ضرورت نہیں، اب خود زبان نے تلوار سے زیادہ جوہر پیدا کر لیے ہیں۔

صنعت و حرفت کی ترقی اور تجارت کی گرم بازاری نے دنیا کے دور ملکوں کو ایک ہی گھر کے دو صحن بنا دیا ہے۔ یعنی اختلاط و امتزاج نے دونوں کے جذبات میں کمال یک رنگی و یک رائی پیدا کر دی ہے اور ان کے مقاصد و اغراض بالکل متحد ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ایک حصہ میں جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو ہر ملک اس سے متاثر ہو جاتا ہے جب دنیا اس قدر متحد الاغراض ہو گئی ہے تو لوگوں نے سب صلح اور امن کے لئے متفق ہو جائیں۔

قدیم زمانہ میں جنگ انسان کا ذریعۂ معاش تھی، یہاں تک کہ بعض لوگ [illegible] بطور تجارت [illegible] کرتے تھے۔

لیکن اب وہ اقتصادی حیثیت سے کوئی ذریعۂ معاش نہیں خیال کی جاتی۔ اب انسان کا رزق نیزے کی نوک کے ساتھ بندھا ہوا نہیں ہے بلکہ کارخانوں کی مشینوں کے ساتھ متعلق ہے لیکن زمانہ جنگ میں تجارت و صنعت کا بازار اس قدر سرد پڑ جاتا ہے کہ ہر شے زنگ آلود ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ زمانہ جنگ میں تمام ملک فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص تاجروں کا گروہ تو جنگ کا نام سنکر کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے اور قیام امن کے لئے جان و مال تک سے دریغ نہیں کرتا۔

اب جنگ کے عواقب وخیمہ و نتائج تلخ اس درجہ آشکارا ہو گئے ہیں کہ

مدارج نظر آتا ہے وہ انہی اغراض و مقاصد کے اختلاف کا نتیجہ ہے اگر
دو بھائیوں کے تعلقات میں ایک غیر منقطع اتصال و استحکام نظر آتا ہے
تو اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ انکے جذبات و خیالات اور اغراض و مقاصد
شدت کے ساتھ باہم دست و گریباں ہیں۔
انسان نے آغاز خلقت میں بھی انہی اغراض کو نصب العین بنا کر
دوسرے انسانوں سے سلسلۂ ارتباط و اتحاد پیدا کیا۔ اور انہی اغراض کے
تصادم کو مقاومت نے جنگ کی بنیاد ڈالی۔ آج بھی انہی اسباب کی وجہ
سے عظیم الشان لڑائیاں قائم ہوتی ہیں۔
لیکن اب زمانے بہت کچھ ترقی کر لی ہے اتحاد و اتفاق کے وسائل
بکثرت مہیا ہو گئے ہیں۔ فطری احساس کے ساتھ تہذیب تمدن نے بھی
صلح کے فوائد کو عام طور پر ذہن نشین کر دیا ہے اس بنا پر انسان کے جذبات
و خیالات اور اغراض و مقاصد کو یقیناً متحد کیا جا سکتا ہے اور اسی اتحاد
میں اس شدت کے ساتھ [illegible] ہو سکتا ہے کہ دو مختلف ملکوں
کے باشندے دو بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں۔
اگرچہ کبھی کبھی اتحاد ہی اختلاف پیدا کر دیتا ہے لیکن جس طرح افراد
کے اختلافات کو چھوٹی چھوٹی عدالتوں کے ذریعہ مٹا دیا جاتا ہے اسی طرح
قومی و ملکی اختلافات کو بھی ایک وسیع عدالت اور ایک عام حکم کے ذریعہ سے
دور کیا جا سکتا ہے وحشی قومیں اختلافات و نزاعات کی حالت میں زبان
تیغ سے اپنا فیصلہ سننا چاہتی تھیں مگر بیسویں صدی کے متمدن انسان کو عہد

معیوب خیال کیا جاتا ہے آج سے چند دن پہلے لوگ مینڈھے کے لڑانے پر فخر کیا کرتے تھے اب ہر متمدن انسان کو اس سے شرم آتی ہے پہلے جانوروں کے لڑانے کے لئے خاص خاص میدان متعین کئے جاتے تھے اور اس طرح جانوروں کو سخت اذیت پہنچا کر لطف اندوزی کا سامان بہم پہنچایا جاتا تھا اب جانوروں کو انسان کے ظلم و جور سے بچانے کے لئے متعدد انجمنوں کی بنیاد پڑ گئی ہے اور انسان کے دائرہ لطف و کرم میں بے زبان مخلوقات تک شامل ہو گئی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے مختلف طبقات فطرتاً باہم متحد نہیں ہو سکتے اور اس فطری اختلاف کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا جامع اور عام قانون نہیں بنایا جا سکتا جس پر ہر سلطنت اور ہر ملک و قوم کا اتفاق ہو۔ لیکن اب تو سلطنتیں اس اتفاق عام کی طرف قدم بڑھا چکی ہیں۔ اور جس چیز کو قانون شکن کہا جاتا تھا، وہ خود پابند قانون ہو گئی ہے یعنی خود جنگ کے لئے ایک بین الملی قانون بنا دیا گیا ہے جس پر تمام سلطنتوں نے اتفاق کر لیا ہے۔

قدیم زمانہ میں جنگ وحشت کا ایک بہت بڑا موقع تھی جس میں صرف بغض، انتقام، توہین، تذلیل کا رنگ نظر آتا تھا۔ اسیران جنگ کو عموماً قتل کر دیا جاتا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جاتے تھے اور دشمن کو ہر شکل و طریقہ سے ضرر پہنچایا جاتا تھا لیکن اب تمام مہذب سلطنتیں اس وحشت و بہیمیت کے تصور سے لرز جاتی ہیں اور حتی المقدور جنگ کے مصائب کے کم کرنے میں اپنی کوششوں کو صرف کر رہی ہیں لیکن چونکہ جنگ میں سنگدلی اور

خود سپہ سالاران فوج بھی اسکو دنیا کی بدترین چیز سمجھتے ہیں۔ جنرل سرچارلس نیپیر نے جنگ کی ہولناک صورت کو ایک نہایت بلیغ تشبیہ میں عریاں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

ایک فوجی آدمی کی زندگی اس رقاصہ کے مشابہ ہے جو کسی ایسے ہال میں ناچتی ہے جس کی دیواروں میں لٹکے ہوئے شیشے کے پرزے جڑے ہوئے ہیں۔ جب وہ عالم نشاط و سرور میں مستانہ وار رقص کرتی ہوئی ان دیواروں تک پہنچتی ہے تو اسکے لباس اور اعضا شیشے کے ٹکڑوں سے لگ کر اور مجروح [illegible] ہو جاتے ہیں اور ناز و غرور کے جو پردے اسکی آنکھوں [illegible] ہوئے تھے دفعتاً اتر جاتے ہیں۔ اسکو نظر آنے لگتا ہے کہ وہ ایک وحشت خیز [illegible] مشغول تھی۔ اسی طرح فوجی آدمی میدان جنگ کی فتح [illegible] یا [illegible] پیدا [illegible] خواب پریشان [illegible] ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں [illegible] جو قدر [illegible] اندھا بنا دیتا [illegible] دیکھتا ہے اس میں خون اور لاشوں کی [illegible] کچھ نظر نہیں آتا ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ اب انسان کا اخلاقی معیار روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے۔ [illegible] وحشت کی جگہ رحمدلی اور دوستی [illegible] کی ظالمانہ رسمیں مٹتی جاتی ہیں۔ ان کی جگہ [illegible] اور ایثار نفسی فیاضی کا عام میلان پیدا ہوتا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں جنگ ایک نہیں ممدوح خیال کی جاتی تھی لیکن اب اسکو سخت

بغض و انتقام جنگ کا مبداء اول ہیں، اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس
کے سینے کے اندر یہ آتشکدہ نہ بھڑکتا ہو۔ اس بنا پر صلح عام کا انعقاد بظاہر
ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک زمانے کو دوسرے زمانے پر قیاس کرنا
غلطی ہے۔ قدیم زمانے میں تمام قومیں ایک انسان کے شخصی ارادہ کے ماتحت
گرفتار تھیں اور وہ اپنی ذات پر قوم کے تمام مصالح و اغراض کو قربان کر دیتا ہے
لیکن اب ہر قوم مستقل بالذات ہو گئی ہے اور اس نے خود بادشاہوں کے
جبر و سطوت کو اپنا تابع بنا لیا ہے۔ اب دنیا جبر و استبداد کے پنجہ سے
نکل گئی ہے اور اپنے مصالح و فوائد کو زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ یہی مصالح ایک
قوم کو دوسری قوم سے ملاتے جاتے ہیں۔ گرد و کدورت کا جو پردہ درمیان
قائم ہو گیا تھا وہ اٹھتا جاتا ہے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں سے زیادہ کون
قومیں قدیم دشمن ہوں گی لیکن آج [illegible] مصالح نے [illegible]
دونوں قوموں کو متحد کر دیا ہے اور انگریزی قوم جس [illegible]
بحیثیت دشمن کے [illegible] جرمنی اور فرانس اگرچہ ایک
دوسرے کے دشمن ہیں لیکن ہم کو قدرتی اسباب کے اثر سے مجبور
ہو کر مصالح کی بنا پر ان قوت کا انکار کر دینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ایک
دن جرمنی بھی انگلستان بن جائے۔

ان کا آخری استدلال یہ ہے کہ جنگ کے علل و اسباب کی قوت روز
بروز گھٹتی جاتی ہے اور صلح و اتحاد کے ذرائع وسیع اور ترقی پذیر ہوتے
جاتے ہیں۔ بالخصوص بعض اسباب ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو دنیا کو اتفاق

قساوت قلبیہ سے بالکلیہ اجتناب نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ایک ایسا معتدل
قانون وضع کر دیا گیا ہے جس پر عمل کرنے سے جنگ کا مقصد بھی حاصل ہو سکتا ہے
اور وحشیانہ اعمال سے بھی احتراز کیا جا سکتا ہے اس قانون کی رو سے بہت سے
ہتھیاروں اور بعض خاص اقسام کے گولوں کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا ہے
اور زخمیوں اور قیدیوں کے ساتھ انسانی ملاطفت کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اگر
متخاصمین جنگ میں کوئی فریق اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور دوسرا
فریق بھی اسی طریقے سے اس کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو تمام سلطنتیں
خود اس کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں اور عالم انسانیت کی انتہائی ہمدردی ان
کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کے
اخلاقی، معاشی اور قانونی رشتے بہت مضبوط ہو گئے ہیں اور اس قدر کہ ایک قوم
کو دوسری قوم کے فوائد و مصائب کا احساس ہے اور جس طرح پہلے قبائل
اور خاندانوں نے ایک قسم کے نظام اتحاد کے ذریعہ قومیت کی صورت اختیار کی
تھی اسی طرح اتفاق سے ان اقوام عالم میں بھی ... اب دنیا کی
قومیت کا مفہوم پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہو جائے گا اور تمام قومیں ایک
دائرے میں داخل ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ بالآخر ایک وقت ایسا آئے گا جو قانون
خود جنگ ہی کا انسداد کر دیگا۔ ہر کیف جب ایک ایک کر کے بند ہو جاتے ہیں
تو اس کا طبعی نتیجہ اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک دن خود لڑائی ہی ختم
ہو جائے اس اتفاق عام کی یہ آخری منزل ہوگی اور عنقریب اس نقطہ پر مصالحت
عامہ کا سفید جھنڈا لہرائے گا۔

منوتیع نتائج نے اس کو اس قدر ترقی دی کہ اسی غرض سے ایک عام انجمن قائم کی گئی جس میں ہر سلطنت کے عمال شریک ہوئے اور اس کی ممبری قبول کی اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ تمام سلطنتوں کے ارکان و عمال اور اعضاء حکومت میں باہم رابطۂ اتحاد قائم ہو جائے۔

جو سلطنتیں صلح جو اور امن طلب تھیں انہوں نے اسکو اور وسعت دی چنانچہ ولایت متحدہ امریکہ میں ایک عظیم الشان انجمن قائم کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام سلطنتوں کے کارکن لوگوں کو باہم اس قدر متحد ہونا چاہیے کہ اگر ایک سلطنت دوسری سلطنت کے مقابلہ میں آمادۂ جنگ ہو تو دونوں سلطنتوں کے تمام عمال اپنے اپنے کام سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سلطنت ایک دست شل بن کر رہ جائے گی۔

۳۔ ان ذرائع کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں سینکڑوں انجمنیں خاص اسی غرض سے قائم ہو گئی ہیں کہ دنیا کو امن و صلح کی دعوت دیں اور سیاسی قومی اختلافات کو مٹائیں۔ اس مقصد کے لئے جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ بجائے خود موثر ہوں یا نہیں سب سے زیادہ ان کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور جو صدا ان انجمنوں سے بلند ہوتی ہے وہ صرف شرفاء کا نفرنس ہی کے دلوں میں جذبۂ مودت نہیں پیدا کرتی۔ بلکہ کانفرنس کے ہال سے باہر نکل کر تمام دنیا کو محیط ہو جاتی ہے اور ہر شخص کے دل میں محبت کا بیج بو دیتی ہے اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک عالمگیر کانفرنس صلح قائم ہو گئی ہے۔ اور جرمنی آسٹریلیا، روس اٹلی، سپین، انگلستان، غرض تمام ملکوں میں مقامی انجمنیں بھی قائم

عام کی دعوت دے رہے ہیں۔

۱۱۔ علوم وفنون کی ترقی اور ایجادات واختراعات کی وسعت نے ہر ملک کے علماء کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیا ہے۔ بالخصوص علوم طبیعہ اور علم طب نے تو تمام دنیا کو ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے۔ ان علوم کا مقصد بالذات اگرچہ قیام امن وانعقاد صلح نہیں ہے۔ لیکن ان کی ترقی واشاعت کا جو طریقہ ایجاد کیا گیا ہے اس سے اتفاق واتحاد کا مقصد نہایت آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ملک میں ان علوم کی ترقی واستحکام کے لئے عظیم الشان کانفرنسیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان میں ممالک مختلفہ کے علماء بلکہ سلاطین و وزراء تک شریک ہوتے ہیں۔ جن کے یکساں نصب العین میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

تماشوں کے ذریعہ سے بھی یہ مقصد نہایت وسیع پیمانے پر حاصل ہوتا جاتا ہے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے لندن میں تین سال تک جو نمائش قائم رکھی تھی اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے دونوں قوموں کے اتحاد میں بڑی مدد دی ہے۔

۱۲۔ ملکی اتفاق اور قومی اتحاد کا ایک بڑا ذریعہ سلاطین، وزراء اور ارکان دولت کی باہمی ملاقات بھی ہے۔ اور یہ ذریعہ اس زمانے میں نہایت عام ہو گیا ہے۔ فرانس اور انگلستان میں اسی طریقے سے اتحاد پیدا ہوا اور روس نے بھی انگلستان سے اسی طرح رسم مودت قائم کی۔

ابتدا میں تو اس کو ایک رسمی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعض غیر

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جنگ کی وجہ سے دفعتاً افزائش
نسل انسانی میں ایک نمایاں تنزل پیدا ہو جاتا ہے۔ لاکھوں نوجوان
لقمۂ تیغ و سناں ہو جاتے ہیں ہزاروں عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔
قبیلے کے قبیلے۔ خاندان کے خاندان جلا وطنی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح
ایک ملک کی گود دفعتاً اپنے فرزندوں سے خالی ہو جاتی ہے لیکن یہ ایک
عجیب بات ہے کہ توالد و تناسل پر عیش و راحت اور امن و صلح کا اس
سے بھی زیادہ مضر اثر پڑتا ہے جو قومیں جس قدر زیادہ جنگجو ہوتی ہیں
اسی قدر شرح ازدیاد زیادہ ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے عیش پسند صلح جو
اور راحت و عشرت قوموں میں بچوں کی تولید کم ہو جاتی ہے۔ عرب عموماً
جنگجو تھے لیکن ان میں بچوں کی کثرت تھی۔ فرانسیسیوں سے زیادہ عیش
پرست کونسی قوم ہوگی؟ لیکن وہاں کی آبادی روز بروز گھٹ رہی ہے
جرمنی کو ایک جنگجو ملک کہا جاتا ہے۔ لیکن جس زمانے میں اس نے یہ
خطاب بطور خود حاصل کیا ہے اسی وقت سے اس کی مردم شماری نے غیر معمولی
ترقی کی ہے۔ جانور تک اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ شیر اپنے کٹھرے میں
بہ نسبت جنگل کی خاردار جھاڑیوں کے زیادہ امن و سکون سے زندگی بسر
کرتا ہے لیکن اس گہوارۂ عیش میں اس کا سلسلہ توالد و تناسل دفعتاً
منقطع ہو جاتا ہے۔ قبائل اور عام تمدنی جماعتوں کی ترقی صرف تکثیر
نسل پر موقوف ہے اور جنگ اس تمدنی نظام کو صلح سے زیادہ وسعت کے
ساتھ قائم رکھ سکتی ہے۔

ہیں جو اس کانفرنس کے مقاصد کی تائید کرتی ہیں۔

۴۔ ایک خاص قانون ساز کانفرنس بھی قائم کی گئی ہے جس کے ممبر قانون کے بڑے بڑے فضلاء ہیں اور جو خاص طور پر ایسے قانون وضع کرتی ہے جو مختلف سلطنتوں کے مقاصد کو باہم ٹکرانے نہیں دیتے۔ یہ کانفرنس ۱۸۷۳ء میں مسیو ڈالال فرانسیسی کی کوشش سے قائم ہوئی اور رفتہ رفتہ امریکہ اور سوئٹزرلینڈ نے بھی اس کی تقلید کی

۵۔ مختلف ممالک کی پارلیمنٹوں کے ممبروں کی کانفرنس ان سب سے الگ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اختلافات و تنازعات کا فیصلہ صرف عالمی پنچایت کے ذریعہ کیا جائے۔

۶۔ ہوشیار جیدٹ لوگوں کا ایک خاص فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو ہمیشہ تعاون اجتماع، اور مصالحت عامہ کی تائید میں سرگرم رہتے ہیں۔ یورپ میں ان کی تعداد آٹھ ملین ہے اس لئے جنگ کی طرح صلح کو بھی ایک ساتھ جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں ... ہے۔

منکرین صلح عام و شیدائیان جنگ

لیکن شیدائیان جنگ ان دلائل کے آگے نہیں جھکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دلائل کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ انسان کی ایک غیر محدود تعداد کو فطرتاً عیش و مسرت اور سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ اس قدر کثیر التعداد عیش پرست انسان آغوشِ صلح میں پیدا بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

صحیح کا اندازہ صرف میدان جنگ میں ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی قوم میدان
جنگ میں انتخاب طبیعی کا فرض ادا کرنے خود نہیں جاتی۔ بلکہ وہ فطرت کے
سب سے بڑے امتحان گاہ میں لے جا کر کھڑی کرائی جاتی ہے اگر اس میں
زندہ رہنے کی صلاحیت ہے تو زندہ رہتی ہے۔ ورنہ انتخاب طبیعی کا اسلحہ
جنگ اس کو فنا کر دیتا ہے۔

جس اخلاقی شجاعت کے کارنامے ہسپتالوں کالجوں اور یتیم خانوں
کی صورت میں نظر آتے ہیں وہ بھی اسی وحشیانہ شجاعت کی ایک ترقی
یافتہ صورت ہے جو میدان جنگ میں نہایت خوفناک نظر آتی ہے جنگ
بے رحمی کے ساتھ جذبۂ رحم و محبت کو بھی پیدا کر دیتی ہے۔ اور چونکہ زمانہ
جنگ میں تمام اعلیٰ جذبات متحرک رہتے ہیں اس لیے ہر جنگجو قوم
ان جذبوں کو نہایت سرعت کے ساتھ تمام کر لیتی ہے تمدن کے تمام شعبے
جنگ کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہیں۔ عیش پرستی نے اس میں ایک
زبردست کمی کا اضافہ کیا ہے۔

آج ملکوں اور سلطنتوں میں اتفاق و اتحاد کے جو ذرائع پیدا
ہو گئے ہیں وہ بھی جنگ ہی کی برکت ہے۔ واقعات ثابت کر رہے ہیں
کہ جو کچھ تھا خوف بزدلی مصلحت۔ ریاکاری ڈپلومیسی کا نتیجہ تھا۔
خلوص صرف میدان جنگ ہی میں نظر آ سکتا ہے اور ہم کو خلوص ہی کی
جستجو کرنی چاہیے۔

بدقسمتی سے اگرچہ ایک مدت سے جنگ ہوا پرستی، شہرت طلبی اور خود غرضی کا ذریعہ بنا لی گئی ہے اور عموماً سلاطین و امرائے فوج صرف اپنے جاہ و اقتدار کے قائم رکھنے کے لئے جنگی جہاز تیار کراتے ہیں توپیں ڈھالتے ہیں تلوار پر صیقل چڑھاتے ہیں اور فوجوں کو آگ اور خون کے طوفان میں جھونک دیتے ہیں لیکن جنگ کی نفسِ حقیقت پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ امن و صلح کو بھی اسی طرح اغراض فاسدہ کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے بہت سے لوگ صرف عیاشی و کاہلی کے لئے اطمینان و سکون اور صلح و سلام کی زندگی کے طالب ہوتے ہیں۔

خدا نے انسان میں بغض و انتقام کا مادہ صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرے اور انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح میں فطرت کا معاون و مددگار ہو پس یہی جنگ کا فطری مقصد ہے اور اسی قسم کی لڑائیاں ہمیشہ دنیا کے لئے آگ اور خون کے ظاہری پردے میں ابر رحمت کا چھینٹا ثابت ہوئی ہیں۔ جو لوگ میدان جنگ میں جانبازانہ لڑتے ہیں وہ کسی قوم کے فنا کرنے میں انتخاب طبیعی کو مدد ہی نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اصلح بھی ثابت کر دیتے ہیں، یا اپنے اندر بقاء و قیام کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ خود انتخاب طبیعی و بقاء اصلح کی حقیقت اس کے وقت، اور طریق انتخاب سے واقف نہ ہوں۔ تاہم قوت و صلاحیت کا احساس صحیح خود کسی قوم کے صالح ہونے کی دلیل ہے اور دنیا کو اب تک اسی احساس نے قائم کر رکھا ہے پس اسی قوت و احساس

فنِ تعمیر کے سب سے پہلے گھر تھے ستاروں کے ہیکل سے آباد تھے۔ دنیا اسی تاریکی میں گھری ہوئی تھی کہ کلدان میں مسلم اوّل کا ظہور ہوا۔ جس نے:

فلما جن علیه اللیل رأ کوکبا قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین فلما رأ القمر بازغا قال هذا ربی فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین فلما رأ الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بری مما تشرکون انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین

رات کو ستاروں کو دیکھا تو کہا یہ میرا خدا ہے لیکن جب ستارے چھپ گئے تو اس نے کہا: میں چھپ جانے والوں کو خدائی کے لئے نہیں پسند کرتا۔ پھر چاند نظر آیا تو پکار اُٹھا کہ یہ میرا خدا ہے پر جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میرا سچا خدا میری ہدایت نہ کرتا تو یقیناً میں گمراہ ہو چکا ہوتا! پھر دن کو جب سورج چمکتا ہوا نکلا تو اس نے کہا: ہاں یہ میرا خدا ہے کہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو مخاطب کیا۔ لوگو میں ان سب سے بری کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو۔ میں تمام جھوٹے معبودوں سے منہ پھیر کر اس سچے خدا کی طرف رُخ کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ میں اپنے خدا کا کسی کو شریک نہیں بناتا۔

یہ پہلا دن تھا جب اسلام نے حقیقت انسانی کے چہرے سے پردہ اُٹھایا۔ اور اس نے بتایا کہ اے انسان! تو مخلوقات کا بندہ نہیں تو مخلوقات کا آقا ہے۔

توحید فی الاسلام

ان القوۃ للہ جمیعاً (۲: ۱۶۰)

اس سے پہلے کہ دنیا نور اسلام سے منور ہو۔ انسان کا کیا حال تھا۔ وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو خدا سمجھتا تھا جنگل کا ہر بڑا درخت اس کا خدا تھا جس کا ہر خوفناک کیڑا اس کا خدا تھا۔ پہاڑ کا ہر سیاہ پتھر اس کا خدا تھا۔ وہ سانپ کو پوجتا تھا کہ سانپ دیوتا تھا وہ دریا کو پوجتا تھا کہ دریا دیوی تھی وہ پہاڑ کو پوجتا تھا کہ وہ دیوتا کا مسکن تھا۔ وہ آگ کو پوجتا تھا کہ وہ کہیں آگنی دیوی تھی۔ اور کہیں خدا کا مظہر تھی۔ وہ عام ستاروں کو پوجتا تھا کہ وہ حکمران عالم تھے۔ وہ چاند اور سورج کو پوجتا تھا کہ وہ نور اکبر تھے۔ وہ حیوانوں کو پوجتا تھا کہ ان میں انسانوں سے زیادہ قوت تھی وہ انسانوں کو بھی پوجتا تھا کہ خدا کے اوتار تھے۔

ہندوستان جو علوم ریاضیہ کا سرچشمہ تھا پتھروں اور مورتوں کا بندہ تھا یونان جو علوم عقلیہ کا مرکز تھا طرح طرح کے دیوتاؤں کا مسکن تھا مصر و بابل جو علم ہیئت

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا (۴۵: ۱۲)
خدا نے تمہارے لئے زمین و آسمان کی تمام چیزیں مسخر کر دیں۔

تو دریا کو دیوی نہ کہہ کر وہ تیری ضروریات کا ایک خزانہ ہے۔

سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ (۴۵: ۱۱)
تمہارے لئے دریا کو مسخر کر دیا تاکہ اس میں خدا کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اپنے رزق کو تلاش کرو۔

وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون (۱۶: ۱)
خدا وہی ذات قدوس ہے جس نے دریا کو مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اس سے اپنی زیب و زینت کی اشیاء نکالو۔ اس میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ اس سے خدا کی ... تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

تو حیوانات کو دیوتا نہ سمجھ کہ وہ تیرے ہی فائدہ کیلئے مخلوق ہوئے ہیں۔

وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون لتستوا علی ظھورہ ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ وتقولوا سبحن الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین (۴۳: ۱۲)
کشتی اور جانور تمہارے لئے پیدا کئے تاکہ تم ان کی پیٹھ پر سیدھے سوار ہو۔ پھر تم خدا کے احسان کو یاد کرو۔ اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے مخلوقات کو مسخر کر دیا۔ ہم اپنی قوت سے ان کو مسخر نہ کر سکتے!

تو ان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ وہ تیرے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ تو ان کا غلام نہیں بنایا گیا۔ وہ تیرے غلام بنائے گئے ہیں۔ تو مخلوقات سے اشرف ہے اور تیری ذات تمام ہستیوں سے ارفع ہے۔ تو صرف خالق مخلوقات کا بندہ ہے اور تمام مخلوقات کا آقا ہے۔ پھر جن کا آقا ہے جب تو ان کو اپنا خدا بنائے۔ ان کے آگے غلامی کا سر جھکائے۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علٰی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

ہم نے انسان کو عزت دی، اس کو خشکی اور تری میں سواری دی، اچھی چیزیں روزی کیں۔ اور بہت سی مخلوقات پر فضیلت کامل عطا کی۔

اے انسان ! تمام دنیا تیرے لئے ہے [illegible]

الم تروا ان اللہ سخر لکم [illegible]

ما فی الارض [illegible]

[illegible]

الارض جمیعا [illegible]

[illegible]

بلکہ آسمان و زمین کی سب چیزیں تیرے [illegible]

لئے نہیں ہے [illegible]

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض ؟ (۱۹ : ۳۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے خدا نے مسخر کر دیں۔

ایک ذات کے سوا دنیا میں کوئی وجود نہیں جس سے ڈرا جائے ایک مشرک اپنے کو دنیا کی ہر شے سے کمزور و حقیر سمجھتا ہے لیکن ایک مسلم وجود ذات "عزیز و متکبر" کے سوا خود کو سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ سمجھتا ہے کیونکہ ہر لحظ اس کے کان میں یہ آواز آتی رہتی ہے۔

ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین — عزت صرف خدا کے لئے ہے اسکے رسول کے لئے ہے اور مسلمانوں کے لئے ہے۔

اے مشرک انسان! تو کیوں خدا کے سوا اوروں کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے؟ کیا تو ان میں بعض سے بہتر اور بعض کے برابر نہیں ہے؟ اے مشرک انسان! تو کیوں خدا کے سوا اوروں سے ڈرتا ہے کیا وہ بھی تیری ہی طرح خدا کی مخلوق نہیں؟ اے مشرک انسان! تو کن سے حاجت برآری کی درخواست کرتا ہے؟ کیا وہ خود خدا کے محتاج نہیں؟ بس ایک ہی ہے جس کی طرف ہاتھ پھیلایا جائے ایک ہی ہے جس سے ڈرنا ہے ایک ہی ہے جس کے آگے جھکنا ہے، ایک ہی ہے جس کے آگے گڑگڑانا ہے ایک ہی ہے جس کو اپنے سے بالاتر سمجھنا ہے اور ہاں ایک ہی ہے جس سے حاجت برآری کی درخواست ہے۔

قال افرایتم ما تدعون من دون اللہ، ان ارادنی اللہ بضر ھل ھن کاشفات ضرہ؟ او ارادنی برحمۃ ھل ھن ممسکات رحمتہ! قل: — اگر خدا مجھے مصیبت پہنچانی چاہے تو کیا تمہارے معبود جن کو تم پکارتے ہو، اس مصیبت کو دور کر سکتے ہیں۔ اگر خدا اپنی رحمت مجھ پر نازل کرنی چاہے تو وہ روک سکتے ہیں؟ ہاں کہہ دو کہ خدا ہی کا ارشتہ

آگ دیوی نہیں وہ تو تیرے ہی لئے پیدا ہوئی ہے۔
والذی جعل لکم من الشجر خدا وہ ہے جس نے سبز لکڑی سے
الاخضر نارا (۳۸ : ۸۰) تمہارے لئے آگ پیدا کی۔
پہاڑ دیوتاؤں کا مسکن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو خود انسان کے
تابع ہے۔ اور خدا کا فرمانبردار ہے۔
انا سخرنا الجبال معہ یسبحن ہم نے داؤد نبی کے لئے پہاڑ کو مسخر کر دیا۔
بالعشی والاشراق (۳۸ : ۱۷) کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کریں۔
آفتاب و مہتاب اور دیگر ستارے بھی اے انسان تیرے خدا نہیں
تو خود ان کا خدا وند آقا ہے۔ اس لئے تو ان کو سجدہ نہ کر!

وسخر لکم الشمس والقمر
دائبین وسخر لکم اللیل
والنھار (۱۴ : ۲۷)
وسخر لکم اللیل والنھار
والشمس والقمر والنجوم
مسخرات بامرہ (۱۶ : ۱۲)

تمہارے لئے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا
جو حرکت کرتے ہیں اور اسی طرح رات اور
دن اور ان کے خواص و موثرات کو بھی
تمہارا تابع فرمان بنا دیا رات، دن، سورج،
چاند سب کو تمہارے تابع کر دیا کیونکہ تمام
ستارے خدا کے حکم کے تابع ہیں۔

غور کرو، ایک مشرک اور ایک مسلم کی زندگی میں کتنا فرق ہے؟ مشرک
پتھروں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں۔ ستاروں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں۔ کہنہ
اور پوسیدہ قبروں کی اینٹوں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں۔ خود انسانوں سے
ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں۔ لیکن ایک مسلم کا عقیدہ یہ ہے کہ فاطر السموات والارض کی

بنا سکے جس کا قلب مطمئن خدا کے سوا کسی سے خوف زدہ نہیں؟ اور کیونکر ممکن ہے کہ خوف و ہراس دل پر قبضہ کر سکے۔ جو خدا کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں؟ اور یہاں کیونکر ممکن ہے کہ متکبرین کی ہیبت و عظمت جبابرۂ عالم کا قہر و غضب سپاہیوں کا تیغ و سناں اور فرعونوں کا جاہ و جلال اس انسان کو مرعوب کر سکے جس کی نظر میں یہ سب کے سب ایک مشت خاک اور ایک عضو معطل سے زیادہ نہیں؟

پھر جس کی یہ حقیقت ہے کیونکر ممکن ہے کہ وہ شدائد و خطرات سے خوف کھا کر نصرت حق سے باز آجائے؟ اس کا دل راستی اور سچائی کی سختیوں کو دیکھ کر لرز جائے اس کی زبان قول حق سے خاموش رہے اس کا قدم جادۂ صداقت سے متزلزل ہو جائے؟ کیونکہ مسلم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کے سوا دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا اپنے نفع و ضرر کی باگ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں دیکھتا۔

پھر کیا یہ سچ نہیں کہ مسلم فطرتاً خود دار ہے کہ اکثر مخلوقات سے وہ برتر اور بعض کے برابر ہے کیا یہ صحیح نہیں کہ مسلم فطرتاً آزاد اور حر ہے کہ خالق کے سوا وہ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتا کیونکہ قوتوں کا منبع اور قدرتوں کا مرکز اس کی نظر میں ایک ہی ہے:-

ان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ، وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیءٍ قدیر وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر ط	اگر وہ ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں، اور اگر نیکی اور برکت دینا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہے وہ بندوں پر غالب ہے وہ ہر نکتہ سے آگاہ اور ہر خبر سے واقف ہے۔ (انعام)

حسبی اللہ علیہ تیوکل — بس کرتا ہے بھروسہ کرنے والے صرف اسی

المتوکلون۔ — کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں!

پس جو مسلم ہے وہ خود دار ہے۔ کیونکہ خدا کے بندوں میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ پھر کس سے وہ اپنی ذات کو حقیر سمجھے۔ اور اس کے سامنے جھکے؟ اس نے صرف ایک ہی سے اپنی ذات کو حقیر سمجھا اور اسی کے سامنے جھکا۔

جو مسلم ہے وہ آزاد ہے۔ کیونکہ مخلوقات میں کون بڑا ہے جس سے وہ ڈرے؟ اس نے ایک کو بڑا سمجھا اور اسی سے وہ ڈرا۔

مسلم خدا کے سوا کسی سے کیوں نہیں ڈرتا؟ اس لئے کہ وہ دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ:۔

خدا کے سوا نفع و ضرر کسی کے ہاتھ میں نہیں۔

دنیا کی ہر قدرت و قوت کا مالک وہی ہے۔

اس کے سوا کسی میں قوت و قدرت نہیں۔

مخفی دعاؤں کے سننے والا تنہا وہی ہے۔

دنیا کی تمام قوتوں کی عنانِ حکومت صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

عطائے موت و حیات و نفع و ضرر اسی کا کام ہے۔

ہماری طرح دنیا کا ذرہ ذرہ صرف اسی کا محتاج ہے، پر وہ کسی کا محتاج نہیں۔

پھر کیونکر ممکن ہے کہ شدائد و خطرات کا مہیب دیو اس مسلم کو خوفزدہ

جمیجا۔ لئے پیدا کیا ہے۔
پورا کر دیا۔ کیا وہ پھر اسی عہد ظلمت کی طرف رجعت قہقری کر سکتا ہے
جو انسان کی سیاہ کاریوں کا ایک تیرہ و تاریک ظلمت کدہ تھا۔
بظاہر یہ سوال کتنا ہی تعجب انگیز ہو، لیکن دونوں دور کے نتائج
اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ وحشت و تمدن دو متضاد چیزیں ہیں۔ لیکن دونوں کے نتائج میں عجیب و غریب اتحاد ہے۔ آگ اگر پانی کو خشک کر سکتی ہے تو وہ ایک جامد مادہ کو سیال بھی بنا سکتی ہے۔ پس جب ایک ہی تو متضاد نتائج پیدا کر سکتی ہے تو دو متضاد قوتیں متحدہ نتائج کیوں نہیں پیدا کر سکتیں۔

لیکن اس وقت نظریات کی ہنگامہ آرائی کی ضرورت نہیں یہاں گفتگو واقعات اور واقعات کے نتائج میں ہے اور وہ یکسر عالم آشکارا ہیں زمانۂ وحشت میں عورتیں آزاد تھیں۔ آج ان کی آزادی اور بھی بڑھ گئی ہے زمانۂ وحشت میں انسان ہر چیز کو مباح سمجھتا تھا۔ اب ایک اعلیٰ درجہ کا متمدن انسان بھی بلا قید دنیا کی ہر چیز سے متمتع اٹھا سکتا ہے۔ زمانۂ وحشت میں انسان بات بات پر لڑ پڑتا تھا۔ آج ایک مہذب انسان بھی سیادت جنسی و وطنی کے جوش میں ذرا سی بات پر تلوار اٹھا سکتا ہے زمانۂ وحشت میں انسان ایک پی بی پر قانع نہیں تھا آج متمدن آبادیاں بھی زیادہ وسعت و کامیابی کے ساتھ اسی پر عمل کر رہی ہیں۔ زمانۂ وحشت میں عورتیں صرف ستر عورت کا چھپانا کافی سمجھتی تھیں آج تمدن کے کامل لباس (فل ڈریس) میں عہد قدیم کا یہ منظر نظر آسکتا ہے۔

غزواتِ اسلامیہ اور تجارت

دنیا نے جس نقطے سے اپنا سفر شروع کیا تھا، پھر پھر کے پھر اسی نقطے پر پہنچ گئی ہے دنیا کا سورج اپنی تکوین کے پہلے دن وحشت و بہیمیت کے سر پر چمکا۔ اور آج تمدن و تہذیب کے خطِ استوا سے گذر رہا ہے لیکن اس کی حرارت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اس کا آتشیں چہرہ جس طرح تکوین عالم کے پہلے دن غصہ سے سرخ تھا۔ اسی طرح آج بھی تابناک نظر آرہا ہے۔

بظاہر یہ ایک نہایت تعجب انگیز بات ہے جس دور ترقی و عہد تمدن نے حقائق و علوم میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ اسرار عالم کے چہرے سے نقاب الٹ دی۔ بحر و بر کے ڈانڈے ملا دیئے۔ فضائے بسیط کے سیاروں کو قوت جاذبہ کے ایک رشتہ میں منسلک کر کے خدا کے اس احسانِ عظیم کو کہ:-

خلق لکم ما فی الارض زمین میں جو کچھ ہے اس کو خدا نے تمہارے ہی

مقابلے میں اس آلے کا استعمال کیا۔ تھا جب حضرت سعد بن ابی وقاص رض
اسلام لائے تو ان کی ماں نے ناراض ہو کر قسم کھا لی کہ وہ اس مذہب سے باز نہ آئے
ورنہ ان سے کبھی بولوں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی یہ محض دھمکی ہی نہ
تھی بلکہ اس نے اس پر عمل بھی کیا۔ اور اسی حالت گرسنگی میں تین دن گذار دیے
تیسرے دن جب فرط ضعف سے بیہوش ہو گئی تو اس نازک حالت کو
دیکھ کر اسکے دوسرے لڑکے نے پانی پلا دیا ہوش میں آئی تو سعد کو بد دعائیں دیں لہ
ابتدائے اسلام میں بعض صحابہ نے بھی کفار کو تجارت کی روک ٹوک
کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ غزوہ بدر سے پہلے ایک بار حضرت سعد بن معاذ رض
عمرہ کی غرض سے مکہ آئے۔ اور قدیم دوستانہ تعلقات کی بنا پر امیہ بن خلف کے
ہاں قیام کیا۔ چونکہ کفار آزادی کے ساتھ عمرہ کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔
اس لیے انہوں نے ایک دن موقع پاکر دوپہر کے سناٹے میں امیہ کے ساتھ طواف
کرنا چاہا اتفاق سے ابوجہل سے ملاقات ہو گئی اس نے کہا تم اس طرح بے دھڑک
مکہ میں طواف کر رہے ہو، حالانکہ تم نے گمراہ مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دی ہے
اور ان کی مدد کر رہے ہو؟ اگر تم ابو صفوان (امیہ) کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں
سے بچ کر واپس نہ جا سکتے۔"
اس پر حضرت سعد بن معاذ کو بھی غصہ آ گیا۔ انہوں نے بھی دھمکی دی "اگر
تم مجھے طواف سے روکو گے تو میں تمہاری راہ میں اس سے بھی سخت روکاوٹیں
پیدا کروں گا یعنی مدینہ کے راستے سے تمہارا جو کاروان تجارت شام کو جاتا

لہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۷ مناقب سعد بن ابی وقاص۔

زمانۂ وحشت میں انسان اپنے بغض وعداوت کو غیر ضروری اور غیر متعلق چیزوں کی طرف متعدی کر دیتا تھا وہ ایک شخص سے لڑتا تھا تو اسکے گھر میں آگ لگا دیتا تھا اس کو متعدد مادی فوائد سے محروم کر دیتا تھا اس نے جو تعلقات دوسرے لوگوں سے قائم کر رکھے تھے ان کو منقطع کرنا چاہتا تھا اسکی تجارت اور دوسرے ذرائع معاش میں مختلف طریقوں سے رکاوٹ پیدا کرتا تھا۔ آج بیسویں صدی کا متمدن انسان بھی یہ سب کچھ کرتا ہے وہ کبھی اسٹرائک کرتا ہے کبھی بوائیکاٹ کا وعظ کہتا ہے کبھی تار و ٹیلیگراف کا سلسلہ کاٹ ڈالتا ہے کبھی ڈائنامیٹ کے ذریعہ سے ٹرینوں کو اڑا دیتا ہے کبھی تجارتی جہازوں کو روک دیتا ہے بلکہ بعض اوقات ان کو ڈبو بھی دیتا ہے اور اسکو دشمن کے بے دست و پا کرنے کا نہایت کامیاب اور مہذب آلہ سمجھا جاتا ہے۔!

اسلام سے پہلے عرب بھی ایک وحشی ملک تھا اس لئے وہ بھی بیسویں صدی کے اس بے پناہ آلے کا استعمال کرتا تھا۔ بلکہ سب سے پہلے زیادہ اس نے خود اسلام ہی کے مقابلہ میں اس کا استعمال کیا۔ ابتدائے بعثت میں دو سال تک کفار قریش نے باہمی معاہدہ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے نہ کوئی شخص بنو ہاشم کو اپنی لڑکی دے سکتا تھا۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچ سکتا تھا اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا لین دین کر سکتا تھا یسفر جیٹ عورتوں کو اپنی اس ایجاد پر بڑا ناز ہوگا کہ وہ آیٹ دانہ کا فاقہ کرکے قیدخانہ کی مصیبتو سے بچ جاتی تھیں لیکن سب سے پہلے عرب کی ایک عورت نے اسلام کے

کی تھی لیکن یہ لوگ معاملات میں نہایت سخت اور حریص تھے یہاں تک کہ بچوں
اور عورتوں تک کو رہن رکھتے تھے [1] اور قرض کے تقاضے میں نہایت بے مروتی
کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد نے جب
انتقال کیا تو اُن پر ایک یہودی کا قرض باقی رہ گیا تھا اس نے تقاضا کیا تو
حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے چند دنوں کی مہلت مانگی۔ اس نے انکار کر دیا انہوں نے
آنحضرت سے سفارش کرائی۔ آنحضرت اس کے پاس خود تشریف لے گئے اور
اس معاملہ کے متعلق بالمشافہ گفتگو کی لیکن اس نے آپکی سفارش کو بھی رد کر دیا [2]
معاملات کے متعلق کفار کا جو طرز عمل تھا وہ اس سے بھی زیادہ سخت تھا
اور اس کا اثر مسلمانوں پر بلکہ خود اسلام پر بھی پڑتا تھا۔ عاص بن وائل پر
خباب کا کچھ قرض تھا۔ جب انہوں نے اس سے تقاضہ کیا تو اس نے کہا جبتک
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار نہ کروگے میں تمہارا قرض نہ دوں گا [3]
یہ لوگ خود آنحضرت صلعم کے ساتھ بھی نہایت بیہودہ طریقہ سے پیش آتے
تھے آپ پر ایک کافر کا قرض تھا اس نے اس سختی کے ساتھ آپ سے تقاضا
کیا کہ صحابہ اسکی بے ادبی پر ضبط نہ کر سکے۔ اور اس کو اس گستاخی کی سزا دینی
چاہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر روک دیا جس کا حق ہے وہ
اس قدر باتیں بھی سنا سکتا ہے۔
اہل عرب نے خارجی ممالک سے جو تجارتی تعلقات قائم کر لیے تھے وہ بھی

---

[1] بخاری جز ۳ - ص ۱۱۸ [2] بخاری جز ۳ ص - ۳۵
[3] بخاری جز ۵ - ص ۷۱ [4] بخاری جز ۵ ص - ۹۱

کرتا ہے اس کو روک دوں گا"[1]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ صرف دھمکی ہی دی تھی مگر بعض مسلمانوں نے اس پر عمل بھی کیا چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر ساحل دریا پر مقیم ہوگئے تھے وہ مجبوراً قریش کے کاروان تجارت کی لوٹ سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے تاہم خود آنحضرتؐ نے نہ تو کبھی ایسا کیا اور نہ اس پر پسندیدگی ظاہر کی۔ چنانچہ جب قریش نے ساحل بحر کے مسلمانوں کی شکایت کی تو (حسب تصریح بخاری) آپ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

اسلام دنیا میں خالی ہاتھ آیا تھا نہ اس کے دامن میں لعل و جواہر کے ذخیرے تھے نہ وہ اپنی جیب میں چاندی سونے کے سکے رکھتا تھا نہ اس کے پاس اس قدر سرمایہ تھا کہ لوگوں سے لین دین بڑھاتا۔ تجارت کی منڈیاں قائم کرتا یا کم از کم بازار میں ایک معمولی سی دکان لگا لیتا۔ اس کی جھولی میں صرف مخلصین مومنین کے چند دل تھے۔ جو اگرچہ لعل و جواہر سے زیادہ گراں قیمت اور چاندی سونے کے سکوں سے زیادہ بیش بہا تھے۔ لیکن اس وقت عرب کے بازار ضلالت میں اس سودے کا کوئی خریدار نہ تھا!

اس زمانے میں عرب کی تجارت کا تمام کاروبار کفار مکہ اور یہود مدینہ کے ہاتھ میں تھا لیکن عرب میں جو بداخلاقیاں عموماً پھیل گئی تھیں ان کا اثر سب سے زیادہ داد و ستد کے معاملات پر پڑتا تھا۔ اس بنا پر تجارت تمام اخلاقی خرابیوں کا مرکز بن گئی تھی۔ عرب میں سب سے زیادہ متمول اور کاروباری قوم یہود

---

[1] بخاری جزو ۵۔ ص۔ ۱۷

سے تجارتی فائدہ اُٹھانا پسند نہیں کیا لیکن خدائے اسلام کو یہ علیحدگی پسند نہ آئی اور صحابہ کے اس طرزِ عمل کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

لیس علیکم جناح ان تبتغو فضلا من ربکم ۔ اگر تم لوگ زمانۂ حج میں خدا کے فضل یعنی تجارت سے فائدہ اُٹھاؤ تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کا مشہور قبیلہ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتا تھا اس نے ایک بازار بھی قائم کر لیا تھا۔ جو انہیں کے نام سے مشہور تھا بعض اوقات ان لوگوں نے سر بازار مسلمانوں کے ساتھ اشتعال انگیز شرارتیں بھی کیں چنانچہ ایک مسلمان عورت کسی زیور کے لئے ایک سنار کی دکان پر آئی تو ایک یہودی نے پیچھے سے آکر اسے بے پردہ کر دیا۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا بلکہ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان بھی اسی بازار کے متصل تھا اور اسی تعلق سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بازار میں تشریف لاتے تھے[۱] لہٰذا اسی ہمسائیگی کی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے یہودیوں سے لین دین کے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی دعوت ولیمہ کرنی چاہی اور اس غرض سے اذخر (ایک گھاس ہوتی ہے جو سناروں کے کام آتی ہے) کاٹنے کے لئے نکلے کہ سناروں کے ہاتھ بیچ کر اس کی قیمت سے دعوت کا سامان کریں تو قبیلہ بنو قینقاع ہی کے ایک سنار کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا تھا[۲]

خود آنحضرتؐ کے معاملات و قرض کا تمام تر تعلق یہود اور کفار کے ساتھ تھا۔

---

[۱] تاریخ ابن اثیر [۲] بخاری جزو ۳ ۔ ص ۔ ۶۶

[۳] ابو داؤد جلد ۲ ۔ ص ۔ ۶۳ ۔

اسلام کے لئے نہایت مضر تھے۔ چنانچہ حضرت دحیہ کلبی جب آنحضرت کا خط ہرقل شاہ قسطنطنیہ کے پاس لے کر گئے تو اس وقت ابوسفیان تجارتی اغراض سے شام میں مقیم تھا۔ ہرقل نے اس کو طلب کیا۔ اور آنحضرت کے متعلق متعدد سوالات کئے ان سوالات کی سنجیدگی نے اگرچہ ابوسفیان کو آنحضرت یا اسلام کے مصائب و نقائص کے بیان کا موقع نہیں دیا تاہم جب آنحضرت کے وفائے عہد کے متعلق دریافت کیا گیا تو باوجودیکہ اسکو آنحضرت کی پابندی عہد کا علم تھا لیکن ہرقل کو یہ کہکر درپردہ مشتبہ کر دینا چاہا کہ اس وقت تو ہم لوگوں کے درمیان معاہدۂ صلح ہو گیا ہے، خدا جانے وہ اس کو قائم رکھتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ ابوسفیان کو خود اعتراف ہے کہ اس نے یہ ہزار دقت یہ موقع پیدا کیا تھا:

ما امکنی من کلمۃ ادخل فیھا ہرقل نے مجھے یہ موقع ہی نہیں دیا کہ اسکے سوا کسی شیئا غیر ھذا (۱) اور کے سوال کے جواب میں تدلیس اور فریب کاری کر سکوں۔

ان اسباب کی بنا پر اسلام تجارتی معاملات میں روک ٹوک کرنے کا جائز حق رکھتا تھا لیکن اسلام کی وہ سالہا سال خانہ تاریخ میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں پیش آیا جہاں اسلام کی کوہ شکن قوت کسی کاروباری تراز دیتے ٹکرائی بلکہ اس کے خلاف اسلام نے عرب کے اندر تجارت کا بازار اور زیادہ گرم کر دیا۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب نے خانہ کعبہ کے متصل ذوالمجنہ عکاظ۔ ذوالمجاز وغیرہ متعدد بازار قائم کر لئے تھے جو زمانۂ حج میں تجارت کی اچھی خاصی منڈی بن جاتے تھے اسلام نے چونکہ جاہلیت کے اکثر شعائر مٹا دیئے تھے۔ اسلئے اول اول صحابہ نے ان بازارو

---

(۱) بخاری جزو۔ ۳۔ ص۔ ۱۱۷

تشریف لائے تو اذن طلب کرکے حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ جس مشرک سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے آج مجھ سے نہایت سختی کے ساتھ گفتگو کی، نہ آپ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس کہ اس کا قرض ادا کروں۔ وہ میری عزت وآبرو کے پیچھے پڑ گیا ہے آپ مجھے اجازت دیجئے کہ کسی مسلمان قبیلہ میں اس وقت تک بھاگ جاؤں جبتک خدا آپ کو قرض ادا کرنے کے قابل بنا دے یہ کہکر میں آپ کی خدمت سے واپس آیا۔ تلوار، ڈھال۔ توشہ دان اور پاپوش کو سرہانے رکھ کر سو گیا، اور صبح کا ذب ہونے کے ساتھ ہی بھاگ نکلنے کا ارادہ کیا۔ اسی حالت میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہ تمہیں آنحضرت بلا رہے ہیں گیا تو چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ جن پر سامان لدا ہوا تھا آنحضرت نے فرمایا۔ قرض کے ادا کرنے کا سامان ہو گیا کیا تم نے اونٹنیاں نہیں دیکھیں؟ پھر آپ نے فرمایا: تم ان کو مع اس غلہ اور کپڑے کے جو ان پر لدا ہوا ہے لے جاؤ اور اس سے قرض ادا کرو۔ فدک کے بادشاہ نے ان کو میرے پاس بطور تحفہ کے بھیجا ہے۔ میں قرض دے کر پلٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا سب قرض ادا ہو گیا۔ میں نے کہا: ہاں اب کچھ باقی نہیں ہے۔

خارجی ممالک سے اہل عرب جو تجارتی تعلقات قائم کرتے تھے اسلام پر ان کا نہایت مضر اثر پڑتا تھا۔ چنانچہ عرب میں شام سے جو قافلہ غلہ لیکر آتا تھا وہ اسلام کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے عدم شرکت غزوۂ تبوک پر تمام اخلاقی تعلقات منقطع کر لیے اور تمام صحابہ کو ان سے علیحدگی کا حکم دیا تو ان کو شام کے ایک نبطی نے

چنانچہ آپ نے ایک یہودی کے یہاں اپنی زرہ رہن رکھ کر کچھ غلہ خریدا[1] تھا۔ حالانکہ ایک طویل سلسلہ جنگ کے زمانہ میں آلات جنگ کو ہر حال محفوظ رکھا جاتا ہے۔

آنحضرت کے تمام خانگی اور ذاتی معاملات کا انتظام حضرت بلال رضی سے متعلق تھا یہ انتظامات جس طرح انجام پاتے تھے اس کا حال تفصیل سے خود حضرت بلال رضی نے بیان کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملات کے متعلق اسلام کس قدر بے تعصب اور فیاض تھا۔ حضرت بلال فرماتے ہیں آنحضرت کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ ابتدائے بعثت سے تا دم وصال میں ہی آپکے مصارف کا انتظام کرتا تھا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں جب کوئی برہنہ تن مسلمان آتا تو میں آپ کے حکم سے پہلے جا کر قرض لیتا پھر اس سے کپڑا خرید کر اسکو پہناتا اور کھانا خرید کر کھلاتا۔ اس معمول کو دیکھ کر ایک دن ایک مشرک نے مجھ سے کہا کہ میں دولت مند آدمی ہوں مجھی سے قرض لے لیا کرو۔ اور کسی سے نہ لو چنانچہ میں نے اسی سے معاملہ کر لیا۔ ایک دن وضو کر کے اذان دینے کے لئے اٹھا تو میں نے دیکھا کہ تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہ آرہا ہے جب اس نے مجھے دیکھا تو منہ بنا کر نہایت سخت الفاظ میں کہا اے حبشی! تجھے معلوم ہے کہ مہینہ کب ختم ہوگا؟ میں نے کہا اب ختم ہوا ہی چاہتا ہے۔" اس نے کہا اب صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ تم پر جو قرض ہے اب وصول کر لوں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح تم پہلے بکریاں چراتے پھرتے تھے اسی طرح مفلس ہو کر سرگشتہ پھروگے۔" مجھے یہ سنکر نہایت رنج ہوا۔ عشاء کے بعد جب حضور اقدس گھر

---

[1] بخاری جز ۶ - ص - ۵۶

وہ میدہ کی روٹی کھاتے تھے لیکن ہمیشہ کے لئے نہایت شوق کے ساتھ شام کے قافلہ کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ جب وہ قافلہ آتا تھا تو وہ لوگ صرف اپنے لئے میدہ خرید لیتے تھے۔ باقی تمام گھر کا خرچ اسی جو اور چھوہارے سے چلتا تھا۔ زمانۂ اسلام میں بھی یہی حالت قائم رہی۔



جو مدینہ میں غلہ لے کر آیا تھا، بادشاہ غسان کا ایک خط دیا جس کا مضمون یہ تھا

قد بلغنی ان صاحبك قد مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کیا

جفاك ولم یجعلك الله بدار ہے۔ لیکن خدا تم کو ذلیل و برباد نہیں

هوان ولا مضیعۃ فالحق کرے گا۔ تم ہم سے مل جاؤ ہم تمہارے

بنا نواسك (۱) ساتھ ہمدردی کریں گے۔

اگر حضرت کعب بن مالک کے جوش اخلاص نے اس خط کو تنور میں نہ ڈالدیا ہوتا تو اس کا نتیجہ صرف یہی نہ ہوتا کہ اسلام کے دائرہ سے ایک فرد نکل جاتا بلکہ غزوات اسلامیہ پر بھی اس کا نہایت مضر اثر پڑتا با ایں ہمہ اسلام کی وجہ سے ان تاجروں کی گرم بازاری میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ایک بار آپ نماز جمعہ پڑھا رہے تھے اسی حالت میں شام سے ایک قافلہ آگیا۔ تمام مسلمان نماز چھوڑ کر اس کی طرف دوڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۱۲ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واذا راوا تجارۃ او جب وہ تجارت یا لہو کو دیکھتے ہیں تو

لهوا انفضوا الیها وترکوك اس کی طرف دوڑتے ہیں اور تم کو

قائما۔ (۲) کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

مفسرین کرام نے "لہو" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ لوگ اعلان عام کے لئے گھنٹہ بجاتے تھے اس سے ان کی آزادی تجارت کا اندازہ ہو سکتا ہے افلاس کدہ عرب کی عام غذا کھجور اور جو کی روٹی تھی لیکن جو لوگ دولتمند ہوتے تھے،

۱؎ بخاری جزو ۶ غزوہ تبوک ۲؎ بخاری جزو ۳ ص ۵۵ -

اذا جاء نصر اللہ و الفتح، و رأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا (۱۱۰ = ۱)

جب کہ خدا کی نصرت آپہنچی اور حق وصداقت کو فتح ہوئی اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین الٰہی میں لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ تو اب اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرو اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو! یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

مقامِ اطاعت خدا و رسول اور شرفِ معیت جماعت اربعہ

الہلال بھی ایک دعوت ہے جس کے تمام اغراض و مقاصد اور اصول فروغ کا نقطۂ وحید صرف اس دین الٰہی کی دعوت کی تجدید اور اس کے اصول الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کو زندہ کرنا ہے گو وہ ایک ذرہ حقیر ہو اسکی روشنی ماخوذ اسی مہر منیر سے ہے اور وہ وجود ضعیف ہو لیکن پیغام اس قوی و عزیز کا ہے ولنعم ما قیل

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ
ذرہ آفتاب تابانیم

یقینی ہے کہ نصرتِ الٰہی کے جو عجائب اس دعائے مقدس نے اول روز دکھلائے تھے اس کا فیضان آج بھی پیروان دین حق اور حامیان حق و صداقت کو اپنا کرشمۂ قدرت دکھلائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اسکے رسول کی

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ایک ہزار تین سو برس سے زیادہ زمانہ گذرا جب حق اور باطل، صدق و کذب، نور و ظلمات، پیروانِ شیطان اور بندگانِ خدا، دونوں میں ایک سخت جنگ برپا تھی حق بظاہر بے کس، بے سروسامان اور مظلوم تھا اور شیطان کا تخت اپنے سائے کی ظلمت میں باطل پرستیوں میں ایک مغرور فوج رکھتا تھا۔ جبلِ بوقبیس کے تنگ و تاریک غار میں روشنی کی ایک ہی چمک نظر آتی تھی مگر ریگستانِ حجاز کا ایک ایک ذرہ ظلماتِ کذب کی پوری مسلح فوج تھا لیکن یہی دعائے مقدس تھی جو خدا نے اپنے زمین کے ایک ہی وارثِ حق و صداقت کو سکھلائی تھی اور یہی الفاظ تھے جو غربت و بے سروسامانی کے عالم میں اس مجسمۂ حقانیت کی زبان سے نکلتے تھے پھر جو کچھ ہوا وہ صرف آپ کے اور ہمارے ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے سامنے ہے۔

جب تک کہ اور تمام آقاؤں سے انکار نہ کر دیں۔ نیز یہ کہ اگر آپکو محبت ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام دشمنوں کے آپ دشمن ہو گئے۔ ایک چوکھٹ پر جبھی سر جھک سکتا ہے جب اور تمام جھکانے والی چوکھٹوں پر سے مغرورانہ گذر جائے۔ جب آپنے کہاکہ میں روشنی ہی کو پسند کرتا ہوں تو ضمناً اسکا بھی اقرار کر لیا کہ تاریکی سے متنفر ہوں۔ آپ ایک ہی جانب اپنا منہ کر نہیں سکتے جبتک اور ہر طرف سے منہ نہ پھیر لیں اور ایک ہی سے اپنا رشتہ جوڑ نہیں سکتے۔ جب تک ہر طرف سے رشتے کاٹ نہ لیں۔ پس خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کیلئے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کے سوا اور جتنی قوتیں اپنی اطاعت کی طرف بلاتی ہیں ان سب سے باغی ہو اس کے آگے جھکنے سے پہلے اور تمام جھکانے والوں کے آگے مغرور ہو جائے۔ جو لوگ اس کی اطاعت کے مدعی ہیں ان کو اطاعت سے پہلے سرکشی کا، وفاداری سے پہلے بغاوت کا۔ اور دوستی سے پہلے دشمنی کا ثبوت دینا چاہیے ان کو آزمائش میں پڑکر ثابت کرنا چاہیے کہ خدا کی وفاداری کے لیے انہوں نے کن کن طاقتوں سے بغاوت کی ہے اور اس کی محبت کے پیچھے کس کس کو اپنا دشمن بنا لیا ہے وہ حکومت الہی کے مقابلہ میں اپنا تخت تسلط بچھانے والی قوت شیطانی جو انسانوں کو خدا سے چھین کر اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتی ہے اور جس کے مظاہر تمہارے اندر اور باہر دونوں جگہ موجود ہیں۔ مدعیان اطاعت الہی کے لئے دنیا میں اصلی اور پہلی آزمائش ہے۔ کوئی ہستی خدا کی مطیع ہو نہیں سکتی۔ جب تک اس قوت اور اس قوت کے تمام مظاہر سے باغی و متمرد نہ ہو جائے سب سے بڑا قوت ابلیسی کا مظہر نفس انسانی اور قوائے بہیمنہ کی قوائے

اطاعت کے ذریعہ مقربانِ الٰہی کے مقام سے نسبت حاصل کر لی ہے وہ اس شرفِ نسبت ہی کی بدولت ان تمام برکات و نعائم کے شریک حقدار ہو جائیں جن کے وہ گو خود مستحق نہیں ہیں۔ مگر جن مستحقین نعمت کے ساتھ ہیں ان کی معیت کا شرف ضرور حق دار ہے اور یہی معنی ہیں اس آیتِ کریمہ کے۔

ومن یطع اللّٰہ و	اور جو لوگ ہر طرف سے باغی ہو کر صرف اللہ اور
الرسول فاولئک	اس کے رسولؐ کے مطیع و منقاد ہو گئے تو بیشک
مع الذین انعم	وہ ان مقربانِ الٰہی کے ساتھی ہو جائیں گے
اللّٰہ علیہم من	جن کو حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے نزول کیلئے
النبیین و	دنیا میں چن لیا ہے اور جن میں سب سے پہلی
الصدیقین والشہداء	جماعت انبیائے کرامؑ کی پھر صدیقوں کی۔
والصالحین وحسن	پھر شہداء اور صالحین امت کی ہے۔
اولئک رفیقا	یہ چار جماعتیں ان کی ساتھی ہوں گی اور
(۴ : ۷۱)	اس رفاقت سے بڑھ کر اور کونسی رفاقت ہو سکتی ہے

اس آیت میں چار مخصوص جماعتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اس کے رسول (صلعم) کی اطاعت کی، وہ ان کے ساتھیوں میں محسوب ہوں گے لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مقامِ اطاعت کا حصول کیوں کر متحقق ہو سکتا ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

یاد رہے کہ ہر اطاعت کے لئے ایک سرکشی، ہر وفاداری کے لئے ایک دشمنی اور ہر عاجزی کے نیچے ایک غرور و تمرد لازمی ہے۔ آپ ایک آقا کے نوکر ہو نہیں سکتے

اور عز و جاہ دنیوی سے پیدا ہو شیطان کا بندہ یقین کرے اور خدا کی عزت کی خاطر جہاں تک ممکن ہو اسے ذلت سے ٹھکرا دے حکومتوں کا استبداد، علماء سوء اور مذہبی پیشواؤں کا استیلا، دنیوی رہنماؤں اور جماعتی حکمرانوں کا قہر و تسلط، رسم و رواج اور سوسائٹی کے دباؤ کی بندشیں، یہ تمام چیزیں بھی شیطان ہی کے تخت کے سائے میں نشو و نما پانے والی ہیں۔ اور ان کی قوت بھی "ما انزل اللہ بہا من سلطان" میں داخل ہے پس خدا کی محبت کے لئے ان سب کا دشمن ہو جائے اور اس کے نام کی عزت کو بلند کرنے کے لئے ان سب کو ذلیل و رسوا کرے اپنی زبان کو، اپنے دماغ کو، اور اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دے۔ تاکہ جو طاعت الٰہی سے سرکش انسان حق و صداقت کی عزت کو دنیا میں تاراج کرتے ہیں ان کی عزت باطلہ کے تاراج و غارت کرنے کا وہ ذریعہ بنے اس کی زبان حق کی زبان ہو اور قدم حق کے قدم ہوں۔ زبان سے ان کی تحقیر و تذلیل کرے اور پاؤں سے ان کے مغرور سروں کو کچلے۔ جب اس منزل امتحان سے وہ گذر جائے گا۔ اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہو گا۔ کیونکہ جو اللہ کا مطیع ہو ضروری ہے کہ شیطان سے باغی ہو۔

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

سلسلۂ سخن میں ہم بغیر کسی گریز کے مقصود اصلی تک پہنچ گئے۔ اس مقام طاعت الٰہی ہی سے وہ اصل اصول اسلامی رونما ہوتا ہے۔ جس کو قرآن کریم نے الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

ملکوتیہ سے ایک دائمی جنگ ہے۔ پھر انسان سے باہر طرح طرح کی ضلالتوں اور
باطل پرستیوں کے تخت بچھے ہوئے ہیں۔ اور خود انسانوں کے لیے شمار غول ہیں
جنہوں نے شیطان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس طرح اسکی اطاعت میں اپنے تئیں
فنا کر دیا ہے کہ ان کا وجود از سرتا پا پیکر شیطانی اور مجسمہ ابلیسی بن گیا ہے۔ ان
میں سے ہر قوت شیطانی انسان کو اپنے آگے مرعوب دیکھنا چاہتی ہے کہیں لذت
اور مال و جاہ دنیوی شیطان کا نشیمن ہے۔ کہیں غرور علم و فضل کے اندر شیطان
چھاتک رہا ہے۔ کہیں مذہبی پیشواؤں کی جماعتیں ارباباً من دون اللہ بن گئی ہیں
اور کہیں جماعتی تسلط اور قوت نے اپنی دعوت ضلالت کی باگ ان کے ہاتھ میں
دیدی ہے۔ حکومتوں اور گورنمنٹوں کا قہر و استبداد بھی ایک بہت بڑا مظہر ابلیس
ہے اور ننگ و ناموس دنیوی اور محبت اہل و عیال کی زنجیروں کے اندر بھی اسی
کے تعبد و انقیاد کی کشش مخفی ہے۔ پس مقام دمن یطع اللہ والرسول کے داخلہ کے
کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ انسان ان تمام طاغوتوں کی اطاعت یکسر باغی و سرکش
ہو جائے۔ اور ان کی عظمت و محبوبیت کے اثر سے اپنے دل کو آزاد کر دے۔ اتنا
ہی نہیں بلکہ جہاں تک طلب صادق کی قوت اور توفیق الہی کی ہمت اس کا ساتھ
دے، ان تمام مظاہر شیطانیہ کے مقابلے میں ایک مجاہدانہ جہاد کا اعلان کر دے
اور تعبد الہی کی تلوار سے کر فاتحانہ کھڑا ہو۔ ضلالت اور گمراہی کا بتکدہ جہاں
دیکھے حق اور صداقت کی ضربوں سے پاش پاش کر دے دولت دنیا ہمیشہ سے
شیطان کی سیر و سیاحت کا سب سے بڑا مرکز رہی ہے اور ضلالت کی تاریکی نے چاندی
اور سونے کی دیواروں کے اندر ہمیشہ گھر بنایا ہے پس ہر اس غرور اور ادعا کو جو دولت

جس کو مثل نماز اور زکوٰۃ کے ہر مومن و مسلم پر فرض کر دیا گیا تھا اور دنیا میں اس اُمت کو خدا کی طرف سے یہ خدمت تفویض کی گئی تھی کہ حق کے قیام اور گمراہی کے انسداد کا اپنے وجود کو ذمہ دار سمجھے اور ہر چیز کو گوارا کرے مگر حق کی مظلومی اس کو برداشت نہ ہو۔

یہ فرض عام تھا، کسی خاص جماعت کی اس میں خصوصیت نہ تھی امم قدیمہ کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ یہ فرض ہمیشہ علماء و رؤسائے دینی کے قبضہ اقتدار میں رہا۔ اور اس لئے جس وقت تک وہ خود حق پر قائم رہے قوم بھی ہدایت پر قائم رہی اور جب وہ گمراہ ہوگئے تو قوم کی قوم بھی برباد ہوگئی۔ اسلام نے اس مرض کا یہ علاج تجویز کیا کہ امر بالمعروف کو ہر فرد اُمت کا فرض قرار دے دیا اور اسکی ذمہ داری پوری قوم پر پھیلا دی۔ یعنی ہر مومن جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے بجز و اقرار اس کا عہد بھی کر لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو قیام حق اور انسداد باطل کا ذمہ دار سمجھے گا اور اسکی تمام قوتیں صرف اس لئے ہوں گی کہ نیکی کی نصرت کریں۔ اور برائی کو روکیں۔

علاوہ ان آیات کریمہ کے (صحیح مسلم) کی ایک مشہور حدیث ہے جسکو حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے۔ اور نیز نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی بادنیٰ تغیر موجود ہے کس قدر واضح طور پر اس فرض کی تشریح فرما دی ہے۔

من رای منکم منکرا | تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے
فلیغیرہ بیدہ | تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے
فان لم یستطع | اسکو دور کرے۔ اگر اسکی طاقت نہ پائے تو

کے جامع و مانع الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اور جو اس دین قدیم کا اصل اساس اور امت مرحومہ کے شرف و فضائل کی علت حقیقی اور اس کے تمام اصول و فروع کے لئے بمنزلۂ عماد کار اور بنیاد شریعت بیضاء کے ہے۔

کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر، و تومنون باللہ (۳: ۱۱۰)	تم تمام اُمتوں میں سب سے بہتر اُمت ہو، اس لئے کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ سورۂ حج میں فرمایا۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر، و للہ عاقبۃ الامور۔ (۲۲: ۴۱)	اگر ہم مسلمانوں کو حکومت اور خلافت دے کر دنیا میں قائم کردیں تو ان کا کام ملک گیری یا عیش و عشرت نہ ہوگا۔ بلکہ یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے۔ اپنے مال کو اسکی راہ میں خرچ کریں گے۔ دنیا کو نیک کاموں کا حکم دینگے اور برائیوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عروج اور وارث ارض ہونے کی اصلی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ دنیا میں اعمال حسنہ انجام دیں گے اور پھر انکی تشریح کی ہے کہ وہ عبادت بدنی و مالی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے پس فی الحقیقت حق کا اعلان اور گمراہی کا روکنا ایک ایسا فرض اسلامی تھا

کو چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان تمام سخت سے سخت مظالم کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں جو، وہاں کے پرستاروں کے ہاتھوں ان کو جھیلنے پڑتے ہیں باپ نے اپنے بیٹے کو خلاف حق چلتے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے سزائیں دی ہیں اور بیٹوں نے اپنے والدین کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے دنیا کے اختیار میں ہے کہ اس عہد سے اعلیٰ تمدن، بہتر سازو سامان معیشت اور ترقی یافتہ علوم و فنون پیش کر دے لیکن یہ قطعی ہے کہ اس زمانے سے بہتر وہ انسان نہیں دکھلا سکتی۔

یہی لوگ تھے جن کی تعریف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ :-

اشداء علی الکفار کفر و ضلالت کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں

رحماء بینھم مگر آپس میں ایک مومن دوسرے مومن

(۴۸ : ۲۹) کے لئے نہایت رحم دل ہے۔

ان کی دوستیاں اللہ کے لئے تھیں اور دشمنیاں بھی اللہ ہی کیلئے انہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو مٹا دیا تھا اور اسکی جگہ اللہ کی رضا جوئی کے دلونے کی انگیٹھی روشن کر لی تھی۔ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ان کا محور اعمال تھا وہ ملتے تھے تو حق کی خاطر اور کٹتے تھے تو صداقت کے لئے پھر اس راہ میں نہ کسی کا خوف تھا۔ اور نہ کوئی دنیاوی طاقت ان کو مرعوب کر سکتی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اسی ملک الملک سے صلح کر لی تھی جس سے کائنات عالم کی ہر شے ڈرتی ہے۔ پس اب ان کو کسی ڈرانے والے سے شکست کھانے کا خوف نہ تھا۔

فلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان

زبان سے اسکی برائی بیان کرے اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو کم از کم دل ہی دل میں اسکو برا سمجھے۔ مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے۔

اسلام کی تعلیم کا اصلی عملی دور درحقیقت وہی اسکا ابتدائی زمانہ تھا جو افسوس ہے کہ بہت جلد ختم ہوگیا۔ یہ اسی فرض اسلام کی قوت تھی جس نے قرون اولیٰ میں تمام اسلامی سرزمین کو اعمال حسنہ کی حکومت کیلئے نیکیوں کی ایک بہشت بنا دیا تھا۔ نفس شیطان اس وقت بھی آزاد تھا جیسا کہ اب ہے اور اسکے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈالی گئی تھیں۔ مگر یہ ضرور تھا کہ اسلام کی قوت علم نے انسانی نفس کی بے اعتدالیوں کو گویا پابہ زنجیر کر دیا تھا اور امر بالمعروف کے حکم سے کوئی باہر نہ تھا۔ ہر شخص یقین کرتا تھا کہ وہ مسلم ہے اسلئے دنیا میں خدا کا قائم مقام اور اس کا نائب ہے۔ سب دنیا کی ہر چیز اور ہر عمل کو اپنی آنکھ سے نہیں بلکہ خدا کی آنکھ سے دیکھتا تھا اور اپنی خواہشوں پر "مرضات اللہ" کو مقدم رکھتا تھا۔ ہم اس زمانے کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ ایک عورت نفس کے تسلط سے مجبور ہو کر زنا کے ارتکاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور اسکی کسی متنفس کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتی ہے اور اپنے زنا کا اقرار کر کے مجبور کرتی ہے کہ سنگسار کی جائے اور پھر انقضائے حمل کے بعد پورے عزم و استقلال کے ساتھ آکر سنگسار ہو جاتی ہے ہم کو اس زمانہ میں وہ ہزاروں انسان نظر آتے ہیں جو حق کے اعلان کی خاطر اپنے تمام عزیزوں

کے سدباب کا پہلا دن تھا نہ صرف یہ کہ انھوں نے اسلام کی جمہوریت کو غارت کرکے اسکی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو یقیناً اعتقاد قرآنی کی رو سے کفر جلی ہے بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اظہار حق اور امر بالمعروف کی قوت کو تلوار کے زور سے دبا دینا چاہا اور مسلمانوں کی حق گوئی کے ترقی لسان ولو کو مضمحل کر دیا تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرآنی کا اثر ابھی بالکل تازہ تھا۔ اس لئے اگرچہ طرح طرح کی بدعات اور محدثات و معاصی کا بازار گرم ہو گیا تھا لیکن پھر بھی امر بالمعروف کی آواز کی گرج کو قصر دمشق کے ایوان و محل کو لرزا دیتی تھی۔ ساٹھ برس کی ایک بڑھیا عورت برسر دربار بلائی جاتی تھی اور (معاویہ) کے سامنے بے دھڑک اپنے وہ اشعار جوش وخروش کے ساتھ پڑھتی تھی جن میں نہ صرف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مناقب ہوتے تھے بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بنی امیہ کے فضائح و مثالب بیان کئے گئے تھے۔ عبد الملک جیسا بارعب جبروت شہنشاہ مدینہ آتا تھا تو اس کے درواز سے گلیم پوش فقرائے صحابہ نکلتے تھے اور برسر دربار اس کو ظالم بتاتے تھے تاریخ میں ہم صدہا واقعات کے ضمن میں پڑھتے ہیں کہ (حجاج) کے سامنے ایک نیام تلوار رکھی رہتی تھی لیکن جاں فروش زمن آتے تھے اور اسکی تلوار کو حقارت سے دیکھ کر اپنی شمشیر حق گوئی سے خود اسکے دل کو مجروح کر دیتے تھے

عہد عباسیہ اور علمائے حق کی استقامت :۔

بنی امیہ کے بعد ان کی ہر چیز کے وارث عباسی ہوئے اور گو حکومت کے استیلاء استبداد سے امر بالمعروف کا وجود ترک کیا تھا اور روز بروز اس کی

اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم (۵:۶۱)

ایمان اور صداقت کے سامنے نہایت عاجز نظر آتے ہیں۔ مگر کفر و ضلالت کے سامنے نہایت مغرور۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور پھر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتے والے ہیں)

یہی "امر بالمعروف" کے اصول کا نتیجہ وہ آزادی راست گوئی اور بے باکانہ حق پژوہی تھی جس کے بے شمار نظائر سے صدر اول کی تاریخ لبریز ہے سرزمین اسلام کا ایک ایک بچہ اور مدینے کی گلیوں کی بڑھیا عورتیں اعلان حق کی جو قوت اپنے اندر پاتی تھیں وہ آج علم و دولت کی قوت کے مجسموں کو بھی نصیب نہیں۔ "امر بالمعروف" کی روح نے ایک ایسی زندگی ہر مسلمان میں پیدا کر دی تھی کہ خلاف حق و صداقتِ عمل کو دیکھ کر بے اختیار تڑپ جاتا تھا اور پھر نہ تلوار اسکی زبان کو بند کرنے پر قادر تھی، اور نہ حکومت کا تختِ سطوت اسکی آواز کو دبا سکتا تھا

بنی اُمیہ کا استبداد امر بالمعروف" کے سدِباب کا پہلا دن

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوفِ عام فساق و فجار سے الگ قرار دیجائیں گی تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً (بنی اُمیہ) کی ہو گی۔ انہی ظالموں نے اسلام کی اس روح حریت کو غارتِ ظلم و استبداد کیا اور اس کے عین عروج اور نشو و نما کے وقت اسکی قوت نمو کو اپنی اغراض شخصیہ کیلئے کچل ڈالا۔ ان کا اقتدار و تسلط فی الحقیقت "امر بالمعروف"

نے کہا کہ یا زندگی سے بیزار یا مجنون ولایعقل ہے۔ بالآخر عمرو بن مسعدہ (رئیس الشرطہ) کو توال شہر کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آکر عبدالعزیز کو گرفتار کرلیا اور اسکی خواہش کے بموجب دربار خلافت تک پہنچا دیا۔ وہاں پہنچکر اس نے مجلس مناظرہ ادر حضور خلیفہ کی درخواست کی اور مامون الرشید کی موجودگی میں اس عقیدے کے فسادات کو ایک ایک کرکے بیان کیا۔ ومن شاء التفصیل فلیرجع الی الرسالتہ لہ الفہا فی ما حل ث لہ فی بغداد

ظہر الفساد فی البر والبحر۔

عباسیہ کے بعد فتنۂ تاتار نے غارت گری نے تاریخ اسلام کا ورق الٹا اور ایک وحشی قوم عرش حکومت کی مالک ہوگئی عربی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی دعوت اسلامی کے بقیہ قوائے کا بھی خاتمہ ہوگیا تھا اور فتنہ و فساد جنگ و جدال حکومتوں اور قوموں کے تصادم اور دائمی کشت و خونریزی سے نفسانی اغراض و ظلم و عدوان کی فضا ہر طرف چھا گئی تھی۔ سب سے بڑا فتنہ علمائے سوء کی کثرت اور علمائے حق کی غربت تھی۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ شخصی حکومت کی بنیاد پڑ گئی تھی اور شخصی حکومت کی سب سے زیادہ قاتل تعیت امراء و رؤسا کی ندامت اور مصاحبت کی رسم کا پیدا ہونا ہے جو دنیوی عز و جاہ کے حصول کا ذریعہ اور بادشاہ وقت کے تقرب جلب توجہ کا وسیلہ بن جاتی ہے اور یہ سب سے بڑی دین و علم کی آزمائش ہوتی ہے جو طوق و زنجیر بن کر طبقہ علماء کے پاؤں میں پڑ جاتی ہے پھر یہ طبقہ زر پرستی اور حصول عز و جاہ کی لعنت میں گرفتار ہو کر شیطان کا سب سے بڑا مرکز فساد بن جاتا ہے اور دین و علم کو امراء

قوت ضعیف سے ضعیف تر ہوتی جاتی تھی لیکن اسلام نے قوم کے اندر اس اصول کی روح جس قوت کے ساتھ پھونکی تھی اسکی ہلاکت کے لئے ایک مدت مدید درکار تھی۔ باوجود عجمی حکومتِ مستبدہ کی تقلید اور قہر و استیلائے شدید کے جو آل عباس کو حاصل تھا (مامون الرشید) جیسے عظیم الشان اور متوکل جیسے ظالم کے دربار میں آپ کو صدہا اشخاص نظر آئیں گے جن کو تختِ بغداد کی عظمت و شوکت بھی مرعوب نہ کر سکی۔ اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر انہوں نے امر حق کا اعلان کیا (مامون الرشید) کا استبداد جب مسئلہ (خلق قرآن) میں ظلم و تشدد تک پہنچ گیا۔ تو دار الخلافت بغداد میں علمائے حق کی مظلومی نہایت دردانگیز تھی۔ لوگوں کو جبر و تشدد کے ساتھ مجبور کیا جاتا تھا کہ حدوث قرآن کا اقرار کریں اور جو انکار کرتے تھے انکو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ جامع مسجد میں سوائے جہمیہ و معتزلہ کے کسی کو حق نہ تھا کہ وعظ و ارشاد کرے اور جو شخص زبان سے قدم قرآن کا لفظ نکالتا تھا اسکی سزا موت تھی لیکن بایں ہمہ عین ایسے حال طلب اور خوف انگیز موقع پر شیخ عبدالعزیز بن یحیی الکنانی) مکہ معظمہ سے چل کر بغداد تک صرف اسلئے آتا ہے تاکہ دار الخلافہ کی جامع مسجد میں خلقِ قرآن کے ابطال پر علانیہ وعظ کہے اور اس طرح گرفتار ہو کر مامون کی مجلس تک پہنچے۔ اور پھر اس کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے۔ چنانچہ وہ بغداد پہنچکر عین جمعہ کے دن جامع (رصافہ) میں جاتا ہے اور بعد نماز کے منبر پر سے پکار کر کہتا ہے کہ کلام اللہ منزل غیر مخلوق ہے۔ اسکی اس ہلاکت طلب جرأت سے تمام مسجد میں ہنگامہ بپا ہوگیا اور لوگوں

(۷ : ۱۶۸) اسے پڑھ چکے ہیں اور کچھ جاہل و بے خبر بھی ہیں۔

(۲)

گویند مگر سعدی چندین سخن عشقش
می گویم و بعد از من گویند بدستانها

جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف :-

اور یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کو قرآن کریم جہاد فی سبیل اللہ کے جامع و مانع لقب سے یاد کرتا ہے اور اس کو قیام امت مسلمہ کا مقصود حاصل اور مسلمانوں کے تمام اعمال و عبادات کا مبداء حقیقی قرار دیتا ہے۔

"جہاد" لفظ "جہد" سے ہے جس کے معنی محنت تعب ہیں۔ اور کام کے لئے سخت تکلیف برداشت کرنے کے ہیں۔ پس جہاد کی تعریف یہ ہے

استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً او باطناً (مفردات امام راغب اصفہانی) دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا وہ دشمن ظاہری حملہ آور ہو مثلاً اعدائے دین و ملت اور ان کا حربۂ قتال یا باطنی جیسے نفس و مظاہر شیطان۔

اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق و صداقت اور دفع باطل و ضلالت ہے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر، خواہ وہ کسی صورت اور کسی شکل میں ہو، اور یہ ممکن نہیں جب تک کہ ان تمام باطل پرستیوں اور گمراہیوں کو دور نہ کیا جائے جن کو حق کی ضد حقیقی یعنی قوت شیطانی مختلف مظاہر و اشکال میں ہمیشہ پیدا کرتی رہتی ہے پس اس بنا پر ہر طرح کی انسانی برائیوں کے دور کرنے کے لئے سعی کرنا اور

رؤسا کی ہلیسانہ خواہشوں کے تابع کر دیتا ہے اس کا علم ومذہب اور وعظ و ارشاد حق کے لئے نہیں بلکہ طلب دنیا کے لئے ہوتا ہے وہ قوم کو حق کی طرف نہیں بلاتا بلکہ خود قوم کی ضلالت اور گمراہی کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہتا ہے جس عقیدے اور تعلیم کو جلب قلوب اور امراء و رؤسا کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتا ہے بیان کرتا ہے اور جس کو ان کے خواہشوں کا مخالف پاتا ہے ترک کر دیتا ہے قرآن کریم نے علمائے یہود کی سب سے بڑی مذمت یہی بیان کی تھی۔

فخلف من بعدهم
خلف، ورثوا
الکتب یاخذون
عرض هذا الادنیٰ
ویقولون سیغفر
لنا وان یاتهم
عرض مثله یاخذوه
الم یوخذ علیهم
میثاق الکتاب
ان لا یقولوا علی الله
الا الحق ودرسوا ما فیه
والدار الاخرة للذین
یتقون افلا تعقلون

پھر بنی اسرائیل میں سلف صالح کے جانشین اور کتاب تورات کے وارث ایسے ناخلف ہوئے جو احکام الٰہی کو اغراض دنیوی کے لئے تبدیل کر دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں اس لئے کہ اس کے صلے میں انہیں اس دنیا کے دو ٹکے کوئی ذلیل حصہ مل جاتا ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ باوجود ایسے کہتے ہیں کہ (ہم علماء میں سے ہیں) اسلئے ہمارا گناہ تو معاف ہو جائے گا اور اگر پہلی چیز کی طرح کوئی اور دنیا کی چیز ان کے سامنے آجائے تو پھر اسکے لینے کے لئے بھی تیار رہتے ہیں۔ کیا ان گمراہوں سے وہ عہد جو تورات میں ہر قوم سے نہیں لیا گیا ہے کہ ہم حق بات کے سوا دوسری بات خدا کی طرف منسوب نہیں کریں گے؟ پھر جو کچھ تورات میں ہے وہ

کے مشتعل کرنے کا فتیلہ ہوتا ہے اور کبھی زہرآلود جام شربت۔ دونوں قوت شیطانی کے مظہر اور دونوں اس کی حکومت کی ظاہری و مخفی فوج ہیں پس جہاد کے معنی یہ ہیں کہ جب گمراہی کا ظہور جنگ کے ہتھیاروں کی صورت میں ہو تو پرستاران حق و امانت داران توحید کے ہاتھ میں بھی تیغ جہاد ہو اور یہ دشمن ظاہری کے مقابلے میں مدافعت ہے لیکن جہاں گمراہی کا ظہور نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی باطل پرستی اور جہل و ضلالت کے اعتقادات و اعمال اور اوہام و خیالات کی شکل میں ہو تو وہاں مومن و مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلحہ کے ذریعہ اپنی زبان اور قلم سے اس کے دفع و ابطال میں جہاد کرنا چاہیئے اور یہ باطنی دشمنی کے مقابلہ میں مدافعت ہے۔

تشریح معنی جہاد

یہی سبب ہے کہ متعدد احادیث میں حکم جہاد کی تشریح کی گئی اور قلب ضمیر کی ان تمام کوششوں کو جو نفس و شیطان کے مقابلے میں کی جائیں جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً فرمایا۔

اپنے ہوائے نفس کے مقابلہ میں بھی ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ ظاہری دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیاروں سے جہاد کرتے ہو۔ اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ابو داؤد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے زیادہ توضیح فرمائی کہ :- جاھدوا المشرکین بانفسکم واموالکم والسنتکم (باطل پرستوں کے مقابلہ میں اپنی جان اپنے مال اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو)
یعنی فرض جہاد کبھی حرب و قتال کی صورت میں کبھی اعلائے حق کیلئے مال

باطل و ظلم کے مقابلے میں حق و عدل کا حامی و ناصر ہونا عین مقصد اسلام و علتِ ظہورِ رسالت و سبب نزول شریعت ہے۔ اور اسی نصرتِ حق و دفع باطل کی سعی و کوشش کا نام اصطلاح قرآنی میں جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس مطلب کو زیادہ واضح کرنے کے لئے یوں سمجھیے کہ امر بالمعروف اسلام کا مقصد اصلی ہے لیکن امر بالمعروف ہو نہیں سکتا، جب تک کہ نہی عن المنکر نہ کیا جائے۔ امر بالمعروف کے معنی ہیں نیکی اور صداقت کی طرف بلانا اور اس کا حکم دینا۔ اور نہی عن المنکر سے مقصود ہے برائیوں اور گمراہیوں سے روکنا۔ لیکن نیکی اور صداقت تو برائیوں کے دور ہونے ہی کا نام ہے اور روشنی کے معنی ہی یہی ہیں کہ تاریکی نہ ہو۔ کپڑا صاف کیونکر رہ سکتا ہے جبکہ آپ اسے سیاہ دھبوں سے نہ بچائیں گے۔ پس امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ناگزیر ہے اور نہی عن المنکر کا دوسرا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

صاحب مفردات نے نہایت اچھا لفظ ظاہراً و باطناً کا رکھ دیا ہے۔ باطل پرستی و ضلالت کا استیلا کبھی تو انسانوں کے غولوں اور ان کے خون ریز ہتھیاروں کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اعتقادات اور اعمال و افعال کی صورت میں کبھی ضلالت تلوار و تفنگ ہاتھ میں لے کر مسجدوں کی محرابوں اور اذان کے منبروں پر علانیہ قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ تاکہ پرستارانِ حق کو نابود کرے اور کبھی خیالات و عقائد کے مخفی ہتھیار لے کر چپکے چپکے ان انسانی قلوب اور اذہان کو مسخر کرنا چاہتی ہے جو حق کی پرستش کی مخفی مگر حقیقی عبادت گاہیں ہیں۔ کبھی وہ جنگ کی تلوار لے کر نکلتی ہے اور کبھی فریب کا دام و کمند۔ کبھی اس کے ہاتھ میں تو توپوں

الہی اس کی توفیق دے۔ وہ "مجاہد فی سبیل اللہ" کے خطاب کا مستحق۔

حقیقت جہاد اور حقیقت اسلامیہ :-

یہی سبب ہے کہ حکم جہاد اسلام کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اور کوئی ہستی مسلم و موحد نہیں ہوسکتی جس وقت تک کہ مجاہد نہ ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ جہاد فی سبیل اللہ کو مسلم کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔

وجاهدوا في الله حق جهاده هو اجتبكم وما جعل عليكم في الدين من حرج ملة ابيكم ابراهيم، هو سمكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيدا عليكم وتكونوا شهداء على الناس فاقيموا الصلوة واتوا الزكوة واعتصموا بالله، هو مولكم فنعم المولى ونعم النصير (۲۲ : ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق جہاد کرنے کا ہے اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لئے چن لیا۔ پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے۔ جس میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے اور اس نے تمہارا نام "مسلمان" رکھا ہے۔ گزشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی۔ تاکہ رسول تمہارے لئے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لئے شاہد ہو۔ پس اللہ کے رشتہ کو مضبوط پکڑ لو۔ جان اور مال دونوں کو اسکی عبادت میں لٹاؤ۔ وہی تمہارا ایک آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو۔ اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!

لینے کی صورت میں اور کبھی زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی شکل میں انجام پاتا ہے۔

اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے آیا اور امر بالمعروف اور جہاد دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں پس ہر وہ کوشش جو حق کیلئے ہو، ہر وہ صرف مال جو سچائی اور نیکی کی خاطر ہو۔ ہر وہ محنت و مشقت جو صداقت کے نام پر ہو۔ ہر وہ تکلیف و مصیبت جو اپنے جسم و جان پر راہ حق میں برداشت کی جائے۔ ہر وہ قید خانے کی زنجیر اور بیڑی جو اعلانِ حق کی وجہ سے پاؤں میں پڑے، ہر وہ پھانسی کا تختہ جس پر جمال حق و صداقت کا عشق لے جاکر کھڑا کر دے غرضکہ ہر قربانی جو بذریعہ جان، مال اور زبان و قلم کے سچائی اور حق کی راہ میں کی جائے جہاد فی سبیل اللہ ہے اور معنی جہاد میں داخل ہے۔ تم اپنا روپیہ اس کے نام پر لٹاؤ، اپنی گردنوں سے خون کا سیلاب بہاؤ۔ گردن کو طوق سے ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے۔ پاؤں کو زنجیروں کے زیور سے حسن حق پرستی کا جلوہ گاہ بناؤ۔ زبان سے حق کا اعلان کرو۔ اور قلم کو توہین و تذلیل شیاطین ضلالت کے لئے وقف کر دو۔ اس کو عزت دو جو حق کی عزت کرتا ہے اور اسکو ذلیل کرو جو حق کو ذلیل کرنا چاہتا ہے دنیا کے رشتوں پر اللہ کے رشتے کو ترجیح دو اور سب سے کٹ جاؤ تاکہ اسکے ہو سکو حق کی خاطر دوست بنو۔ اور حق کی خاطر دشمن۔ نیکی کے آگے تمہاری گردن جھکی ہو اور بدی کے آگے بلند و مغرور ہو۔

ان تمام حالتوں میں کوئی بھی حالت ہو درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ اور مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں داخل ہے اور جس خوش نصیب کو تائید

اور اس کے کلمۂ حق وصدق کی راہ میں جہاد کرو، اور اس کے لئے اپنی انتہائی سعی اور تمام قوتیں وقف کردو تاکہ حق جہاد تم سے ادا ہو سکے۔

اور چونکہ اس حقیقت اسلامی اور اسوۂ ابراہیمی کے حاصل کرنے میں طرح طرح کے شدائد و مصائب اور امتحان وابتلاء ناگزیر تھے۔ پس آخر میں کہا واعتصموا باللہ ھو مولاکم نفس کی ترغیبات دو ساوس سے متاثر اور باطل و ضلالت کے دنیوی ساز و سامان اور قوت وعظمت سے مرعوب مت ہو، صرف اللہ کے ہو جاؤ اور اس کے رشتہ کو مضبوط پکڑ لو۔ اور وں نے دنیا میں اپنے بہت سے آقا اور مالک بنالئے ہیں۔ مگر تمہارے لئے وہ سب اصنام اور طواغیت ہیں تمہارا مالک ایک مالک الملک ہے۔ پس کیا اچھا وہ مالک ہے اور کیا اچھا مددگار! اسی پر بھروسہ کرو اور تمام عالم سے بے خوف و نڈر ہو جاؤ! ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ؟ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (۳ : ۱۰۴)

عود الی المقصود :-

پس درحقیقت "امر بالمعروف" ایک اشرف ترین جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کے سلسلۂ حقہ کے تا قیامت قائم رہنے کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور احادیث صحیحہ میں خبر دی گئی ہے کہ باوجود شیوع فتن و فساد امت مرحومہ میں ہمیشہ ایک جماعت حق قائم رہے گی جس کے مجاہدات کو حق تعالیٰ احیاء شریعت اور تجدید حیات ملت کا وسیلہ بنائے گا اور پھر ان احادیث میں اس جماعت کی سب سے بڑی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ :- ظاھرین علی الحق

فی الحقیقت یہ آیت کریمہ ہمارے مقصود اور (اہلال) کی دعوت کے اظہار کے لئے ایک شہادت قاہرہ اور منکرین حق و پرستاران نفاق کے قلع وقمع و ہلاکت کے لئے ایک سیف اللہ المسلول ہے۔

فللہ الحجۃ البالغۃ، فلو شاء لہدٰکم اجمعین (۶: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام عالم میں فضیلت و بزرگی عطا فرمانے کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف اشارہ کرکے ان کے اس اسوہ حسنہ پر توجہ دلائی کہ انہوں نے راہ محبت الٰہی میں اپنے نفس کے جذبات اور اپنے فرزند عزیز کی جان قربان کر دی تھی، اور تم انہی کے پیرو اور انہی کی ملت حنیفی کی طرف منسوب ہو، "اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" کہہ کر جسم اور مال دونوں کے ایثار و قربانی کی تعلیم دی کہ فی الحقیقت نماز سے مقصود اپنی تمام نفسانی خواہشوں اور قوتوں پر عبودیت کے عجز و انکسار کی قربانی طاری کرنی ہے اور اسکے بخشے ہوئے سر کو اسی کی چوکھٹ پر رکھ دینا ہے اور زکوٰۃ کا حکم ایثار مال و دولت کا حکم دیتا ہے تاکہ انسان اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں انفاق فی سبیل اللہ کو بطور ایک شریک کاروبار حقدار کے حصہ کے ہمیشہ تسلیم کرتا رہے۔ اسکے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو نسبت ابراہیمی و اسلامی کی علت حقیقی قرار دیا اور کہا کہ تمہارا نام مسلم اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ تم اعلان حق کرکے تمام عالم کے لئے گواہ بنو اور رسول تمہاری ہدایت کا شاہد ہو۔ اور پھر ان تمام خصوصیات و خصائل کو آغاز آیت میں بطور نتیجہ بیان کے پیش کیا ہے کہ جاہدوا فی اللہ حق جہادہ" یعنی جبکہ ان تمام فضائل و خصائل سے تم متصف کئے گئے ہو پس تمہارا فرض ہے کہ اللہ

کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا اور اس کے کلمۂ حق کا ہو جائے اور دنیا میں جس قدر اس سے باغی قوتیں ہیں انکی طرف سے منہ موڑ لے کر۔

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (۳۱ : ۲۱)

اور جس نے ہر طرف سے گردن پھیر کر اللہ کی طرف منہ کر لیا، اور حسنِ عمل اختیار کیا تو بس یقین کرو کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی رسی مضبوط پکڑ لی۔

اور یہی حقیقت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہے پس جو لوگ اطاعت خدا ورسول کے ذریعہ دوستانِ الٰہی کی صفوں میں داخل ہو گئے۔ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی الذین انعم اللہ علیہم میں شامل کر کے اپنی نعمتوں اور غیبی برکتوں کا مورد ومہبط بنا دے اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت الٰہی نتیجہ کار کی فتح مندی اور ہمتوں اور عزموں کی کامیابی اور فلاح ہے۔

چونکہ وہ لوگ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور اس کے کلمۂ حق کے اعلان کے لئے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ وقف ہو جاتے ہیں پس خدا تعالیٰ نے بھی بحکم: من تقرب الی شبرا، تقربت الیہ ذراعا (جو میرا بندہ ایک بالشت بھر بھی میری طرف چلتا ہے میں ایک ہاتھ آگے بڑھ کر اس سے قریب تر ہو جاتا ہوں) ان کو اپنا بنا لیتا ہے۔ اور ان کے تمام کاموں پر اپنی عزت اور کبریائی کی چادر ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ کام ان کے نہیں رہتے۔ بلکہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور ان کو انجام دینے والی ان کے جسم ونفس کی قوتیں نہیں ہوتیں بلکہ اللہ کا مقتدر وقاہر ہاتھ ہوتا ہے ان کی آواز گو ان کے حلق سے نکلتی ہے

لا یضرھم من یخذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم کذالک یعنی وہ جماعت منصور من اللہ ہوگی اللہ اسکی دعوتِ حق کی حفاظت کریگا اس کو گمراہ جماعتوں پر فتح یاب رکھے گا۔ اور شیاطین ضلالت کی جو ذریات اسکی مخالفت کریں گی وہ اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گی یہ حالت برابر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت کا ظہور ہو۔

نزول نعائم الٰہیہ و نصرت ربانیہ :-

اور یہ پیشین گوئی صدہا آیاتِ کریمہ، و تجارب تاریخیہ و مشاہدات اہل حق و معارف کے عین مطابق ہے وہی آیت کریمہ جسکو ہم نے خطبۂ مضمون کے آخر میں درج کیا تھا۔ ہم کو اس علامت کی خبر دیتی ہے۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین۔ والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (۴ : ۷۱) کہ جو لوگ تمام شیطانی قوتوں سے باغی ہوکر حضرت اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و منقاد ہوجاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنی محبت و محبوب جماعتوں میں شامل کر دیتا ہے جن کو اس نے اپنی نعمتوں اور برکتوں کے لئے چن لیا ہے اور پھر وہ لوگ صالحینِ اُمت کے مرتبے تک پہنچ کر بادہ نوشانِ جامِ شہادت کے مقام پر فائز المرام ہوتے ہیں اور وہاں سے ترقی کے مرتبہ صدیقیت تک مرتفع ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد براہ راست آفتابِ نبوت سے بہرہ اندوز انوار و تجلیات ہوتے ہیں۔

ومن بعد ھذا مایق صفاتہ ⁘ وما کتمہ احظی لدیہ واجمل

ہم نے آغاز تحریر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مقام اطاعت خدا اور رسول

التواضع میں بروایت ابوہریرہ لائے ہیں کہ

فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ الذی یمشی بہا ولسانہ الذی یتکلم بہ و لئن سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ ۔

جب میں اپنے کسی بندے کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتا ہے اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہوں وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں وہ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں وہ میرے پاؤں سے چلتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں وہ میری زبان سے بولتا ہے پھر جو مانگتا ہے اسے عطا کرتا ہوں۔ اور جب پناہ مانگتا ہے تو اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔

چشم و گوش و دست و پایم او گرفت
من بدر رفتم سرایم او گرفت
این بصر وین سمع چون آلات اوست
ملک ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ از نائیست لے از نے ، بدان
مستی از ساقیست نے از مے بدان
گفتن او گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لیکن چونکہ حق و معرفت کی آواز ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی نہیں بلکہ صورت الہٰی کی لازوال آواز ہوتی ہے۔ وہ راہ الہٰی میں مجاہد ہوتے ہیں پس خدا بھی ان کو اپنی فوج بنالیتا ہے اور ان کے ہاتھ میں اپنی تائید و نصرت کا حربہ دیکر ایک پیچھے رہ کر لڑنے والے سپہ سالار کی طرح لڑاتا ہے بظاہر وہ بے مایۂ و سامان اور حقیر و عاجز انسان نظر آتے ہیں۔ مگر ان کا دل قوت الہٰی اور جبروت ربانی کا مسکن ہوتا ہے ان کے ہاتھ دنیا کے ظاہری ہتھیار سے خالی ہوتے ہیں۔ پر خدائے قدوس کی شمشیر جلال ان کی انگلیوں کی حرکت سے متحرک ہوتی ہے اور صفِ اعدا پر گرتی ہے وہ کارزار عالم میں تن تنہا اور بے یار و مددگار ہوتے ہیں مگر ان کے یمین و یسار نصرتِ خداوندی کے ملائکہ مسومین کی صفیں ہوتی ہیں۔ خدا ان کے عجز کو اپنی کبریائی سے ان کے تذلل و انکسار کو اپنی عظمت و عزت سے ان کے ضعف و کمزوری کو اپنی قوت و طاقت سے اور ان کی بے سازوسامانی کو اپنی مالک الملکی سے بدل دیتا ہے۔ پھر جب وہ بولتے ہیں تو ان کی آواز میں صدائے حق کی گرج ہوتی ہے۔ اور جب نظر اٹھاتے ہیں تو ان کی نگاہوں سے نور الہٰی کے شعلے نکلتے ہیں ان کی آواز سے نسل شیطانی کے طاقتور دل دہل جاتے ہیں۔ اور ان کی نگاہوں کی طرف گمراہی و ضلالت کی نظریں اٹھ نہیں سکتیں۔ کیونکہ تم انسان کی آواز اور نظر کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ لیکن خدا کی آواز پر غالب آنے اور اس کی نظر کی تاب لانے کی کس میں طاقت ہے؟

اس موقع پر اس حدیث قدسی کو یاد کرو جس کو امام بخاری کتاب

ہے تو کانٹے پڑے ہوئے خشک حلقوں سے اپنی نگاہوں کا جلوہ بھی دکھلاتا ہے تو گردنوں کی خونچکانی اور تڑپتی ہوئی لاشوں کے اضطراب میں۔ اور پھر اپنے حسن و جمال کا جلوہ گاہ بھی بنائے گا تو تاریک غاروں شکستہ دیواروں پھٹی ہوئی چٹائیوں کو۔

مجوبہ مجمل شاہی کہ در ولایت عشق

گدایہ تخت نشانندو پادشاہ گیرند

پھر اگر وہ نہیں ہے تو کون ہے جس کا ہاتھ گلیم فقر و مسکینی سے نکلتا ہے اور بادشاہوں کے تاج و تخت کو الٹ دیتا ہے۔ یہ کس کی تماشہ آرائی ہے۔ کہ چند بے نوا فقیروں کو کھڑا کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی بڑی بڑی قوتوں کے تسلط سے نکال کر لاکھوں دلوں کو اپنے آگے سربسجود کر لیتے ہیں۔

افسحرٌ ھذا؟ ام انتم لا تبصرون؟ (۵۲:) افمن ھذا الحدیث تعجبون؟ وتضحکون ولا تبکون؟ وانتم سامدون (۵۳ : ۵۹) وان فی ذالک لایات ، ما یعقلھا الا العالمون

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم

شہاں بے کمر و خسرواں بے کلہ اند



ماچو مست از دیدن ساقی شدیم
مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

پس چونکہ اس جماعت کے تمام کاموں کو اللہ اپنا کام بنا لیتا ہے اسلئے خود ان کا وجود کتنا ہی ناکام و حقیر ہو لیکن ان کے کام کامیاب و عظیم ہوتے ہیں اور وہ کبھی دنیا میں ناکامی و نامرادی سے ذلیل و رسوا نہیں ہوتے وہ خدا کا ہاتھ یا پھر اسکی فوج ہوتے ہیں۔ پس خود ان کو شکست کا غم ہو۔ لیکن خدا کو تو شکست کا خوف نہیں؟۔

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبین۔ (۳۸ : ۱۷۱)

اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد و ہدایت کے لئے دنیا میں بھیجا۔ ان کی نسبت پہلے ہی دن سے ہم نے کہدیا ہے کہ ہماری تائید و نصرت سے بیشک وہی فتح مند اور کامیاب و مظفر ہونیوالے ہیں اور یقیناً ہماری فوج ہی سب پر غالب آکے رہے گی۔

اگر چشم دل وا، اور دیدۂ حق بیں کور نہ ہو تو فی الحقیقت دنیا میں نصرت الٰہی کی نیرنگیوں کی سب سے بڑی نشانی اس جماعت کے عجائب کار و بار دعوت ہیں ہوتی ہے دنیا میں حق و صداقت کی آواز کبھی بھی تاج و تخت اور ایوان و محل کے اندر سے نہیں اٹھتی ہے بلکہ ہمیشہ اس کا سرچشمہ ویران جنگلوں، پھوس کے جھونپڑوں اور پہاڑوں کے غاروں کے اندر رہا ہے اور یہ بھی اس شاہد عجائب پسند کا عجیب و غریب کرشمہ ہے کہ ہمیشہ شکستگی اور افتادگی ہی کو محبوب رکھتا ہے اپنا گھر بھی بنا لیتا ہے تو ٹوٹے ہوئے اور زخمی دلوں کو اپنی آواز بھی سنانا

پہلے اپنی علامتوں کو بھیجتا ہے طوفان کے آنے سے پہلے طوفانی ہوائیں چلتی ہیں۔ اور برسات سے پہلے ابرِ غلیظ کی چادریں آسمان پر پھیلا دی جاتی ہیں۔

اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ فاذا اصاب بہ من یشاء من عبادہ اذا ھم یستبشرون۔

"اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو اپنی جگہ سے اُبھارتی ہیں پھر خدا جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے کبھی بادلوں کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے کبھی ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور تم کو ایسا نظر آتا ہے گویا ان کے درمیان سے مینہ نکلا چلا آتا ہے! پھر اپنے بندوں میں سے جن پر برسانا چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ زندگی پا کر خوشیاں منانے لگتے ہیں!!

یہ عالمِ فطریہ اور آثارِ طبیعہ جو تم کو دنیا میں اپنے سے باہر نظر آتے ہیں بعینہ تمہارے اندر بھی موجود ہیں۔ تم جو اس عالمِ صورت و جسم کے ذرہ ذرہ کی پرستش کرتے ہو بھول گئے ہو کہ ایک اقلیمِ قلب و معنی بھی ہے اور اس عالمِ صغیر میں جو کچھ ہے۔ اسی عالمِ کبیر کا عکس و ظلال ہے۔

الم تر الی ربک کیف مد الظل (۲۵:۴۷)

کیا تم نے اپنے پروردگار کی اس حکمت و قدرت کو نہیں دیکھا کہ اس نے کیونکر ظل یعنی سائے کو پھیلا دیا ہے؟

سر روحانیاں دارم کسے خود اندیں دل ؛ بجواب خود را تا قبلۂ روحانیاں بینی

الداء والدواء

جماعت حزب اللہ کے اغراض و مقاصد

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی ذالکم اللہ فانی تؤفکون (۶ : ۹۵)

بے شک خدا ہی ہے جو زمین کے اندر بیج کے دانے کو (جبکہ وہ محض اُمید و بیم کی حالت میں ہوتا ہے) پھاڑ کر (اُمید و کامیابی) کا ایک قوی و تنا ور درخت پیدا کر دیتا ہے۔ وہی زندگی کو موت سے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے یہی قدرت کی نیرنگیاں دکھانے والی ذاتِ قدوس تمہارا خدا ہے پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو، اور کیوں اس کی طرف نہیں جھکتے۔

علائم و آثار

لیکن اس میں شک نہیں کہ سمندروں کا پانی اُڑتا اور پھر ابر کی صورت میں پھیل جاتا ہے یہ یقینی ہے کہ پانی برسنے سے پہلے موسم بدلتا اور اپنے آنے سے

زمینوں پر تند و تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ جب موسم بدلتا ہے تو یہاں کے آسمان کی طرح وہاں کا آسمان بھی بدل جاتا ہے۔ اور جب پانی برسنے کیلئے آتا ہے تو پہلے ابر کے محیط ٹکڑوں اور سرد ہواؤں کے مرطوب جھونکوں کو بھیج دیتا ہے۔ قحط اور خشک سالی اس سرزمین کی سب سے بڑی مصیبت سمجھی جاتی ہے لیکن وہاں بھی اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں۔ جب آسمان اپنی دریا نوالی کا اور زمین اپنی بخشش کا دروازہ بند کر دیتی ہے تو دریا اتر جاتے ہیں اور سیر حاصل زمین خشک ہو کر چٹیل میدان بن جاتی ہے۔ پھر موت اور بربادی دنیا پر چھا جاتی ہے۔ اور انسان اپنی غذا سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہی حال وہاں کا بھی ہے البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں کی خشک سالی جسم کو غذا سے محروم کر دیتی ہے اور وہاں کا قحط قلب و روح کے لئے پیغام ہلاکت ہوتا ہے پس یہاں جسم کے لئے موت ہے جس کے بعد بھی زندگی باقی رہتی ہے اور وہاں دل کے لئے ہلاکت ہے جس کی ہلاکت کے بعد زندگی کا کوئی سامان نہیں!

دل قلب تحمل مالا یحمل البدن

جسم و جان رنگ و بو، لفظ و معنی۔ صورت و حقیقت یہی دو مختلف دنیائیں اور موجود و مشہود کی دو اقلیمیں ہیں جن کو لسان الہٰی عالم آفاق و انفس سے تعبیر کرتا ہے۔

سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم	ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے مختلف اطراف و جوانب میں بھی دکھلائیں گے اور ان کے نفس کے

آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اپنے سائے کو اپنے ساتھ متحرک کرتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے[1] چاند نکلتا ہے اور عروج و محاق کی منزلیں طے کرتا ہوا نظر آتا ہے[2] موسم بدلتے ہیں اور نئی نئی ہوائیں چلتی ہیں سمندروں میں طوفان اٹھتے ہیں اور آسمان پر بجلیاں چمکتی ہیں جبکہ موسم خشک اور گرم ہوتا ہے تو بارش کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جب علامتوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو بارش کا نزول ہوتا ہے غرضیکہ جو دنیا تمہارے سامنے موجود ہے وہ طلوع وغروب۔ عروج و محاق، تسلط و تنزع، تضارب تصادم۔ تخاذل و تسابق تسفل و ترقی تبدل و تجدد، اور ایاب و ذہاب کا ایک یکسر موقع ہے جس کے مناظر متلون اور جس کے مناظر و امثال متحرک ہیں۔

بعینہٖ یہی حال اس دنیا کا بھی ہے جو تمہارے سامنے نہیں مگر تم میں موجود ہے وہاں بھی طلوع و غروب ہوتا ہے اور جبکہ تاریکی چھا جاتی ہے تو آفتاب دریچۂ ظلمت سے اپنا سر نکالتا ہے۔ وہاں بھی موسم بدلتے ہیں اور ہوائیں متغیر ہوتی ہیں۔ بہار عیش حیات کا پیغام لاتی ہے اور خزاں افسردگی و ہلاکت کے ساتھ ظہور کرتی ہے۔ وہاں بھی سمندروں میں طوفان اٹھتے ہیں اور

---

[1] غروب ہو جاتا ہے اس اعتبار سے کہ ایسا نظر آتا ہے یہ تمام باتیں ہماری ادبیات میں داخل ہو گئی ہیں۔ آسمان گو ساکن ہو اور زمین گردش میں لیکن ہم شکایت آسمان ہی کی کریں گے کہ کرتے آئے ہیں۔ (منہ)

[2] ایام محاق سے مراد اصطلاح نجوم میں مہینے کی وہ آخری راتیں ہیں جب چاند گھٹنے لگتا ہے۔ یعنی نصف آخری (منہ)

نہیں جل رہی تو یہ دھواں کہاں سے اُٹھ رہا ہے؟ اگر کچھ ہونے والا نہیں ہے تو یہ ہونے کی علامتیں کیوں ہو رہی ہیں۔ ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب اوالقی السمع وھو شہید

دہقان آسمان کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیئے اور کشتی بان طوفان کے آنے سے پہلے کشتی کو کنارے تک پہنچا دیتا ہے پس ضرور ہے کہ دلوں کی شورش و اضطراب بے معنی نہ ہو۔ اور اس اقلیم کے حوادث و تغیرات کے اشارات گویا سمجھے جائیں۔

عالم اسلامی آج ایک آخری انقلاب کے کنارے پر ہے اور تبدیلیوں اور انقلابوں کی وہ تمام علامتیں اس کے چپے چپے پر موجود ہیں جو دنیا کے گذشتہ سخت سے سخت انقلابات کی تکمیل سے پہلے ہمیشہ ظاہر ہوا کرتی ہیں وہ انقلابات عظیم جنہوں نے دنیا اور دنیا کے مناظر کو یکسر پلٹ دیا۔ وہ تغیرات مدہشہ، جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی تاریخ بیک قلم الٹ دی وہ جنہوں نے زمین کے جغرافیے اور اس کی خشکی اور تری کے حدود میں تبدیلیاں کر دیں۔ وہ جنہوں نے انسانی نسلوں کے عمران و تمدن اور ان کے عوائد و خصائل کی عمارتوں کو ڈھا کر پھر از سر نو تعمیر کر دیا۔ اور وہ جو اس لئے ظاہر ہوتے ہیں تاکہ حیات و ممات امم کے قانون الہیٰ کے مطابق زمین اور زمین کے بسنے والوں کو از سر تا پا بدل دیں ٹھیک ٹھیک ایسے ہی مظاہر و آثار کو اپنے آگے پیش دیسا رکھتے تھے جیسے کہ آج دنیا کے سامنے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ دنیا میں ہمیشہ ہو چکا ہے اور

انّہ الحق — اندر بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک وہی حق ہے۔ (۴۱ : ۵۳)

اور یہی وہ عالم معنوی ہے جس کے آثار و علائم اور آیات و اسرار پر قرآن کریم توجہ دلاتا ہے اور جس سے اولاد آدم کی غفلت و اغراض پر وہ ہر جگہ متاسف ہے کہ:-

وفی انفسکم افلا تبصرون — اور کیا جو کچھ تمہارے نفس کے اندر موجود ہے لیے تم نہیں دیکھتے؟ (۵۱ : ۲۱)

مابعد آثار و عقب علائم

پس گو آثار و علائم ہمیشہ منظنون اور مستقبل کا چہرہ ہمیشہ تاریکی میں ملفوف ہوتا ہے۔ تاہم علامتوں کے ظہور میں شک نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ موسم بدل رہا ہے اور آنکھیں ابر میں پھیلی ہوئی چادر کو اور جسم ٹھنڈی ہوا کو محسوس کر رہا ہے پس پانی کا برسنا ضروری ہے اور گرمی جس قدر تیزی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اتنا ہی بارش کے نزول کا یقین بھی کر دیتی ہے۔

دلوں کی اقلیم میں ایک شورش برپا ہے اس کے سمندر تہ و بالا ہو رہے ہیں۔ موجوں اور طوفانوں کا زور ہے۔ آسمان کی رنگت پہلے سرخ تھی مگر اب سیاہ اور تاریک ہو گئی ہے اور بجلی پہلے چمکتی تھی۔ اب گرج گرج کر زمین پر گرنا چاہتی ہے فضائے آسمان ایک معرکۂ دار و گیر اور ایک محشر رستخیز بن گئی ہے۔ اور کائنات کی ہر شے ابھرنے اور اچھلنے کیلئے بے قرار ہے۔ اگر کوئی فوج نہیں آ رہی تو یہ گرد و غبار کیوں ہے؟ اگر آگ

مسئلہ سُود

یاایھا الذین امنوا لاتاکلوالربٰوا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون	مسلمانو! سود کے لینے سے پرہیز کرو کہ وہ سود در سود کی صورت میں دُگنا چوگنا ہوتا چلا جائے اللہ سے ڈرو کہ ظلم و زیادتی سے اس کا غضب ظہور میں آتا ہے عجب نہیں کہ اس طرح تم دنیا میں فلاح پاؤ

(۳ : ۱۲۵)

آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے پچھلے دنوں مسئلہ سود کے متعلق صوبجات متحدہ کی کونسل میں جو مبسوط تقریر کی تھی وہ تمام اخبارات اُردو انگریزی میں چھپ چکی ہے۔ میں دفت فرصت کا منتظر تھا کہ اسکو پڑھ سکوں اس تقریر کا اخبارات نے عام طور پر تذکرہ کیا ہے۔ لیکن میں اسکو دوسری نظر سے دیکھتا ہوں۔

سب سے پہلے جناب خواجہ صاحب کو ایک ایسے ضروری اور اہم مسئلہ پر ایک مبسوط۔ مدلل اور پرمغز تقریر کرنے کے لئے تمام قوم کی طرف سے مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ انہوں نے قی الحقیقت ممبری کے انتخاب کیلئے بہت جلد اپنے

ایسا ہونا انقلابات امم وملل کے ایک دائمی قانون کے ماتحت ہے۔
وما یسبق من امۃ اجلھا وما یستاخرون ۱؎ (۱۱۵)

تہیۂ سفر

منجملہ علائم وآثار مخصوصہ کے ایک علامت یہ بھی ہے کہ رفتہ پر ماتم اور آئندہ کی حسرت کی جگہ اب بہت سے دماغ ہیں۔ جو کام بھی کرنا چاہتے ہیں اور محض ماتم و فریاد پر قانع نہیں۔

یہ احساس عام ہے اور عالم اسلامی کے دیگر اکناف واطراف سے قطع نظر خود ہندوستان میں بھی باوجود استیلاء یاس و قنوط موجود ہے اور اگر صحیح وسائل اختیار کرے تو فی الحقیقت انقلاب حالت کا اسے پہلا زینہ سمجھنا چاہیے۔

کل کی فکر آج ہر شخص کے سامنے ہے فکر مستقبل اب صرف خاص دماغوں ہی کا حصہ نہیں رہا۔ بلکہ اخبارات کے دفاتر کی طرح کسی دیہات کی ایک چکی پیسنے والی عورت بھی سمجھنے لگی ہے کل تک مصائب کے ورود کا خوف تھا اس لئے صرف ذہن ودماغ ہی ان کو محسوس کر سکتے تھے۔ مگر آج جبکہ وہ ظاہر ہو چکے ہیں اور بقیہ کا ظہور سامنے ہے تو ان کے سمجھنے کے لئے دماغ کی نہیں بلکہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کی ضرورت ہے۔ اور دماغ کم ہوں مگر آنکھوں کی کمی نہیں۔

کچھ تو مایوس ہیں اور کچھ متلاشی۔ مگر انتظار دونوں کو ہے پہلوں کو اگر راہ بھی دکھلائی جائے تو چلنے سے انکار نہیں گو ان کے قدم ابھی ساکن ہیں اور دوسرے فکر وجستجو میں حیران ہیں کہ کس طرف کا رخ کریں اور منزل کو معلوم ہے مگر راہ

۱؎ اور کوئی امت نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

عظیم کی سرگذشت ہے اور سوائے ایک واقعہ کے مسلمانوں کے لئے کوئی تذکرہ نمایاں اپنے اندر نہیں رکھتی۔

ایک واقعہ سے میرا مقصود سید صاحب مرحوم ہیں جو کونسل کے ابتدائی عہد میں دوبار شامل کئے گئے اور جنھوں نے مشہور "البرٹ بل" کے مباحثہ میں یادگار حصہ لیا تھا۔

اور رفارم کے بعد صرف مسٹر مظہر الحق کو جانتا ہوں جن کو مسلمان ممبروں کی عام حالت سے یقیناً مستثنیٰ کر دینا چاہیے۔

کونسل کے اندر اظہار قابلیت کے متعدد مواقع ہیں سب سے پہلی چیز تو مناسب اور مکمل الفاظ قوانین کا مسودہ پیش کرنا ہے پھر عام مباحث و مذاکرات میں تبحر قابلیت اور اجتہاد فکر ورائے کے ساتھ حصہ لینا۔ ہر معاملہ اور قانون کے متعلق ملکی مصالح اور اغراض کی حمایت کرنا۔ سرکاری تجاویز و خیالات کے بلا لحاظ اثر کی اعتدال و قابلیت کے ساتھ مخالفت کرنا۔ بجٹ وغیرہ کے اہم مواقع پر عمدہ اور مفید مباحث و اقتضاءات پیش کرنا ملک کی عام حالت پر نظر رکھنا اور اس کے درس و مطالعہ سے کونسل کے کاموں میں مدد لینا۔ شمار و اعداد کو ہر معاملے کی نسبت خاص طور پر محفوظ رکھنا اور ہر بحث میں ان سے کام لینا۔ مفید اور نتیجہ خیز سوالات کرنا اور ان کے جوابات سے ملک کی عام معلومات اور رپورٹ میں اضافہ اور حکومت کی غلطیوں کا انکشاف کرنا یہ اور اسی طرح کے صدہا مواقع ہیں کہ ایک قابل شخص کی قابلیت کے لئے کونسل ہال میں آزمائش ہو سکتے ہیں۔

پھر حق گوئی اور راست بیانی ایک جوہر اعلیٰ ہے جس کی ہر موقع پر ضرورت

تئیں ثابت کردیا اور ان کی قابلیت اور قومی خدمات کے قدیمی ولولے اور جوش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں جو توقعات کی جاسکتی تھیں سچ یہ ہے کہ ان میں ذرا بھی ناکامی نہیں ہوئی۔

ہماری حالت اپنے ہم وطن بھائیوں سے بالکل مختلف ہے اور حالت مختلف ہے تو ہماری تحسین و تقبیح اور جرح و تعدیل کو بھی مختلف ہونا چاہیئے۔ ان میں قابلیت اور ادائے فرض کا قحط نہیں ہے وہ مجلس عامہ اور کونسل کے ہاں دونوں میں اپنی قابلیت کے بہتر سے بہتر مظاہر رکھتے ہیں اور موجودہ ہندوستان کے چہل سالہ عہد میں انہوں نے اپنے کاموں کی ایک اچھی تاریخ مرتب کرلی ہے لیکن ہماری حالت اس سے بالکل متضاد ہے قابلیت اور ادائے فرض دونوں میں ہمارا خانہ بھی صفر سے زیادہ نہیں پس ایسی حالت میں اگر ہماری قوم کے اندر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی قابلیت اور صداقت کے ساتھ انجام پائے تو اس کو اوروں کے بہتر سے بہتر کام کے برابر سمجھنا چاہیئے۔ جوہریوں کے بازار میں ہیرے کے مرصع ہار کو بھی کوئی نہیں پوچھتا لیکن کسی کوئلے کی کان میں موتی کا ایک دانہ بھی لے کر نکل جائیے تو ہر شخص کی نظر پڑے گی۔ کہ یہ کیا چیز ہے؟

کونسل کی تاریخ میں مسلمان ممبروں کا تذکرہ

ہندوستان میں مجلس وضع قوانین کی ابتدا کو ایک قرن سے زیادہ زمانہ گذر گیا اور ریفارم پر بھی کونسل کا ایک پورا عہد انتخاب گزر چکا ہے لیکن اس کام عرصے کی پوری تاریخ پڑھ ڈالئے یہ کیسی شرم کی بات ہے وہ تمام تو صرف ہندوؤں کی قابلیت آزاد بیانی حق پرستی اور ادائے فرض کے صدہا کارنامہ ہائے جلیلہ

مسلمان ممبروں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے وجود سے کچھ کام نہیں لیا بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ جب کبھی کچھ کام لیا بھی تو یہی لیا کہ ملک کو نقصان پہنچایا اور ہمیشہ اس کی بہترین اُمیدوں کے لئے اک سنگ گراں بن کر حائل راہ رہے یہ ہماری پیشانی پر ایک سیاہ داغ ہے جو افسوس کہ مٹ نہیں سکتا۔

بہرحال یہ تو خود ایک مبحث ہے۔ ضمناً ذکر آجاتا ہے تو خیالات کو روک نہیں سکتا۔ خواجہ صاحب کی تقریر پڑھ کر مجھے سب سے زیادہ خوشی یہ ہوئی کہ کونسل ہال میں ایک مسلمان ممبر نے ایک اہم اور ضروری مسئلہ کی نسبت لب کشائی کی اور اس پر قابلیت اور صرف وقت کے ساتھ غور کیا یہ باب فی نفسہ گو بہت اہم نہ ہو۔ مگر ہمارے بازار میں جس جنس عام کی نایابی ہے اس کے ملنے پر خصوصیت کے ساتھ کیوں نہ خوش ہوں۔ گو اوروں کے ہاں وہ عام ہو۔

مسئلہ سود اور قرآن حکیم

خواجہ صاحب نے اپنی تقریر میں (سود در سود) کے ان نتائج پر قانون کو توجہ دلائی ہے جس نے تاریخ کے قدیم ترین زمانے کی طرح اس دور میں بھی انسانوں کی آبادیوں کو ویران کیا ہے ان کی کوشش اور محنت کے نتائج کو بغیر کسی حق طبیعی کے دوسروں کی طرف منتقل کر دیا ہے اور نہیں معلوم کتنے عالی شان محل ہیں جو اسکی بدولت خاک کا ڈھیر بن گئے ہیں اور کتنے وسیع قبرستان ہیں جن کے اندر اس کی تباہی اور ہلاکت کے مجروح پڑے سو رہے ہیں۔!

میں نے ہمیشہ اس امر پر غور کیا کہ قرآن کریم نے انسانی معاصی و جرائم کے متعلق طرح طرح کی وعیدیں فرمائی ہیں لیکن سود کے متعلق ایک لفظ ایسا

ہے اور جو ایک روشنی ہے جس سے کونسل کا ہال ہی نہیں بلکہ ہر جگہ روشن ہو سکتی ہے۔

لیکن افسوس کہ اس تمام عہد گذشتہ و رواں میں مسلمان ممبروں نے ان تمام امور میں سے کسی ادنیٰ ترین کام کا بھی اپنے تئیں اہل ثابت نہیں کیا۔ البتہ ایک چیز ہے جس کی قابلیت کا انہوں نے ہر موقعہ پر ثبوت دیا اور ایسا نا قابل دمانع کہ ہندوستان کی کوئی قوم اس کے مقابلے میں اپنے عجز صریح کو نہیں چھپا سکتی۔ یعنی ملک اور ملکی امیدوں کی تذلیل جہل و نادانی کے ساتھ ہر سرکاری خواہش کا استقبال اور ہر صدائے حکومت کے آگے بلا تامل رکوع و سجود اور یہ وہ صفت ملکوتیہ ہے جو ملاء اعلیٰ اور کرّو بیانِ عالم بالا کے لئے بھی بہترین وصف ہے چہ جائیکہ کونسل ہال میں انسانوں کے لئے کہ:-

لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعلمون[1]

اس سے بھی زیادہ دردانگیز بات یہ ہے کہ برائی کے ظہور کی اصلاً دو شکلیں ہوتی ہیں ایک نیکی کا عدم اور دوسرا بدی پر اصرار۔ پہلی صورت بہتر ہے اگر دوسری صورت پیش نہ آئے۔ ایک شخص کچھ نہیں کرتا۔ یہ بری بات ہے لیکن اس شخص سے تو وہ ہزار درجہ بہتر ہے جو نہ صرف یہ کہ نیک کام نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ برائیوں پر مصر ہے۔

مرا بخیر تو امید نیست شر مرساں

---

[1] سورۂ انبیا میں یہ آیت فرشتوں کی تعریف میں ہے یعنی وہ اللہ کے احکام پر ایسے عامل ہیں کہ اس کے کسی حکم کے خلاف نہیں کرتے۔

دور زندگی پر آجاتا ہے تو اس کے اعمال کس درجہ خوفناک ہو جاتے ہیں؛ لیکن کیوں ہے کہ قرآن کریم نے کسی انسانی معصیت کو بھی حرب من اللہ ورسولہٗ سے تعبیر نہیں کیا اور اس وعید کے لئے صرف سود ہی کو (کہ محض ایک لین دین اور معاملات کی چیز ہے اور زیادہ سے زیادہ انسانی خود غرضی کا ایک ظہور) تمام رذائل انسانیہ میں سے منتخب کیا؟

حرب من اللہ (انسانی خود غرضی)

یہاں اس کی تفسیر مقصود نہیں ہے مگر ارشاد ضروری ہے۔

سود کے کاروبار کی اگر کوئی تاریخ مرتب کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کی بہتر سے بہتر تفسیر خود بخود ہو جاتی۔

حلب نفع اور خود غرضی سے اس دنیا کے عجیب ترین جانور کا (جسکو انسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کوئی فعل خالی نہیں اور اگر خالی ہے تو صرف وہ فعل جو اس سے بحیثیت مخلوق حیوانی کے صادر نہیں ہوتا بلکہ اسکے اندر کی وہ روح انسانیت کبریٰ اور معنی خلافت الٰہیہ کام کرنے لگتی ہے جو مقام ملکوتیت سے بھی ارفع اور دریاب مقام قدوسیت اعلیٰ ہے۔ مذہب، قانون، اخلاق سوسائٹی اور اس طرح کی تمام بندشیں صرف اس خود غرضی ہی کے مظاہر شدیدہ کو روکنے کے لئے ہیں۔ اور اگر اس خوفناک جانور کے پاؤں میں اتنی بوجھل

(بقیہ صفحہ ۱۳۵) اس فعل کو باوجود نہی کے ترک نہ کرنا ایک ایسا جرم قرار دیا ہے جو گویا اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں حریف جنگ بننے کے مماثل ہے اسی لئے ترجمے میں میں نے اس کو واضح کر دیا ہے (منہ)

کہدیا ہے جس سے سخت تر وعید اور کسی سخت سے سخت جرم و معصیت کی نسبت بھی نہیں آئی۔ اس کا سبب کیا ہے؟

مسلمانو! اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرو اور تمہارے پچھلے لین دین میں جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو! (پھر) اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور رسول کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ یہ فی الحقیقت اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ ہے	یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (۲ : ۲۷۸)

قرآن کریم نے اس آیت میں سود کے لینے پر اصرار کو "حرب من اللہ ورسولہ" سے تعبیر کیا ہے کہ اس کے لینے والے اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے مستعد رہیں!

بظاہر یہ تشدد تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے انسان کی وحشیت اور بہیمیت نے دنیا میں کیسی کیسی مہیب معصیتیں کی ہیں اور وہ جب سبعیت

له فاذنوا بحرب من اللہ" مفسرین نے مختلف اقوال جمع کئے ہیں کہ اس سے مقصود کیا ہے؟ اذنو بعض نے بکسر ذال و سہمزہ بروزن آمنو پڑھا ہے اور بعضوں نے بفتح ذال۔ لیکن مقصود دونوں سے یہی ہے کہ معلوم کر لو یا خبردار ہو جاؤ۔ حرب من اللہ سے بعض مفسرین نے حقیقی معنی لئے ہیں یعنی جو سود لیں گے۔ ان سے اللہ اور اس کا رسول قتال کرے گا۔ اور وہ اس سے خبردار ہو جائیں لیکن فی الحقیقت یہاں حرب سے مراد واقعی جنگ نہیں ہے بلکہ وعید و عقاب اور تہدید و ترہیب میں مبالغہ مقصود ہے یعنی

مجسمۂ شقاوت و قساوت و غلظت و صلابت ہو جاتا ہے اور خدا کے بندوں کے آگے بے رحمی سے معزور ہونا فی الحقیقت خدا کے آگے مغرور ہو کر آمادۂ جنگ و پیکار ہونا ہے۔

٥

انسان کے ان تمام بڑے بڑے جرائم پر جن کو اسکی خود غرضی کا دیو اس کے اندر سے انجام دیتا ہے اپنے سامنے لاؤ اور ایک ایک کر کے دیکھو ! بڑے بڑے عادی مجرموں کو تم دیکھو گے کہ بارہا انسانی مظلومی اور بے کسی نے ان کی آنکھوں کو اشک بار اور ان کے دلوں کو دو نیم کر دیا ہے سخت سے سخت بے رحم ڈاکو اور قاتل کی نسبت بھی تم سُن سکتے ہو کہ اس نے عین اپنی بے رحمی اور قساوت کے کسی کسی کو انجام دیتے وقت ایک بڑھیا عورت کی فریاد ایک بے کس عورت کی گریۂ و زاری اور ایک بچہ کے مضطربانہ الغیث پر اپنی کھینچی ہوئی تلوار پھینک دی ہے۔ اور چند لمحوں کے لئے اسکی بھولے ہوئے معنی انسانیت اسے یاد آ گئی۔ تاریخ اور ملکی روایات نے ان ڈاکوؤں کے حالات قلمبند کئے ہیں جو ایک طرف تو دولتمندوں کو لوٹتے اور مال و دولت سے بھرے ہوئے قافلوں کو تاخت و تاراج کرتے تھے۔ دوسری طرف صدہا بیوہ عورتیں اور بے کس و مسکین خاندان تھے جن کو ایک فیاض طبع دست کریم اور ایک دریائے بخشش بادشاہ کی طرح امداد و اعانت سے مالا مال کر دیتے تھے انگلستان کے قرون متوسط اور ہندوستان کے گذشتہ زمانے کے بڑے بڑے ڈاکوؤں کی نسبت ہر شخص جانتا ہے کہ انہوں نے قصبات و دیہات کی بے کس عورتوں

بیڑیاں نہ ہوتیں تو اغراض و استجلاب نفع کا تصادم دنیا کو شیطان کا تخت اور دوزخ کا نمونہ بنا دیتا۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون (۹۶ : ۴ تا ۶)

انسانی خود غرضی کا مہیب ترین ظہور

اس خود غرضی کا ایک بدترین ظہور جمع و حصول مال کی بھوک ہے جسکو پیاس کہنا چاہیئے۔ اگر استسقا کی تشبیہ اس پر راس آجائے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اعمال انسانیہ میں اس مرض کا کوئی ظہور اس درجہ انسان کے ملکوتی خصائل کے لئے مہلک اسکی بہیمیت و سبعیت کے لئے مقوی ہیئت اجتماعیہ اور نجامع انسانیہ کی صحت مدنی کے لئے سم قاتل اور عالم مخلوقات کی اس جمیل ترین مخلوق یعنی انسان کو خوفناک درندہ بنا دینے کے لئے ایک عمل اکسیر نہیں ہے جیسا کہ سود اور سود خواری کی زندگی کی مختلف شکلیں۔

اخلاق و خصائل انسانیت کا آبگینہ تو اس درجہ نازک ہے کہ تجارت اور کاروباری معیشت کی زندگی کی ٹھیس کا بھی متحمل نہیں ہوتا اور ہمدردی و مروت کا چشمہ کچھ نہ کچھ مکدر ہو ہی جاتا ہے پھر ظاہر ہے کہ اس کیلئے سود جس سے بغیر حق محنت حصول نفع کا اصول غیر طبعی قائم ہو جاتا ہے کس درجہ مضر ہوگا۔

یقیناً تمام انسانی معاصی میں صرف یہی معصیت حرب من اللہ و رسولہ" ہے کیونکہ اور کسی معصیت میں انسان خدا کے بندوں کیلئے اس درجہ بے رحم اور خونخوار نہیں ہو جاتا جس درجہ سود کو اپنا وسیلۂ معاش بنا لینے کے بعد از سر تا پا

ترس کھائے

شکسپیر کے ایک (شائیلاک) کا ذکر ہے سود ہے۔ دُنیا میں اس وقت تک کتنے ہزار شائیلاک گزر چکے ہیں اور کتنے ہمارے سامنے موجود ہیں!!

ایک اہم نکتہ

اگر ایک شخص چور ہے۔ ڈاکو ہے۔ قاتل ہے تو قانون اس کو قتل کریگا۔ اور انسانی آبادی اس سے پناہ مانگے گی۔ لیکن ایک سود خوار جو کہتا ہے کہ انما البیع مثل الربوا اس کا علاج کیلئے ہے؟ اس نے تجارت کی ایک دوکان کھول دی ہے اور ضرورت و احتیاج انسان کے ہوش و حواس کو معطل کر دیتی ہے ڈاکو سے انسان بھاگتا ہے لیکن "شائیلاک" کے پاس تو اس کا مظلوم قرضدار خود ہی دوڑ کر گیا پس فی الحقیقت قتل و غارت کسی قانون اور مذہب کے لئے اس درجہ سختی کے مستحق نہیں ہو سکتے جس قدر کہ سود، اور سود خواری کی مہیب زندگی۔

پھر کیا "حرب من اللہ ورسولہ" سے اسکی تعبیر صحیح نہیں؟ اور کیا تمام مذاہب عالم میں اسلام کی یہ سب سے بڑی خصوصیت نہیں کہ اس نے باوجود جاہلیت عرب کے اس میدان میں غرق ہونے کے سود خواری کو سب سے بڑا جرم اور معصیت کبیرہ قرار دیا۔

تجارت اور لین دین کی بے رحمیوں اور عام بے رحمیوں میں بڑا فرق ہے انسان کے تمام مظالم اور بے رحمیاں ایسی ہیں کہ انسانوں کیلئے کوئی دام اور کشش اپنے اندر نہیں رکھتیں وہ از سرتاپا نفرت اور مبغوضیت

کے لئے باقاعدہ وظائف و مشاہرے مقرر کر دیئے تھے۔ اور روم کے ایک مشہور ڈاکو نے ٹیٹس سے کہا تھا میرا مجرم ہاتھ بادشاہ کے مقدس ہاتھ سے زیادہ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرتا ہے۔ اگرچہ وہ بادشاہ اور میں ڈاکو ہوں؟

یہی حال تقریباً انسان کے تمام بڑے بڑے جرائم کا ہے اور فضیلت انسانیہ ہر بڑی سے بڑی زندگی کی تاریکی میں بھی کبھی کبھی اپنی روشنی کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ لیکن اسکے مقابلے میں ایک سود خوار زندگی کو لاؤ وہ چور نہیں ہے وہ ایک ڈاکو کے نام سے ذلیل و حقیر نہیں کیا جاتا۔ لوگ اس سے پناہ نہیں مانگتے۔ بلکہ اس کو ڈھونڈتے ہیں۔ وہ پہاڑوں کی غاروں اور جنگلوں کے گنجان گوشوں میں مجرموں کی طرح نہیں چھپتا۔ وہ سوسائٹی سے مردود و مطرود نہیں ہے اس نے بادشاہ کے قانون کے توڑنے اور انسانوں کے آداب مراسم کی غارت کا کبھی جرم نہیں کیا۔ وہ ایک شہری ہے جو مثل ایک شریف باشندۂ شہر کے انسانوں میں رہتا اور جسم اجتماعی میں عضو صحیح کی طرح شامل ہے بایں ہمہ اسکے اعمال کا کیا حال ہے؟ وہ ڈاکو سے بڑھ کر آبادی کو غارت کرتا وہ قاتل سے زیادہ انسانی حیات کو موت سے تبدیل کرتا۔ اور عادی مجرم سے زیادہ سوسائٹی کو برباد کرتا اور ایک درندہ سے بھی خوفناک تر خون آشام اور بھیڑیے اور جنگلی سور سے بھی بڑھ کر حیاتِ انسانی کا دشمن ہے پھر ان سب سے زیادہ یہ کہ سخت سے سخت بے رحم ڈاکو کی آنکھوں سے بھی کبھی کبھی رحم کا ایک قطرۂ اشک ٹپک پڑتا ہے پر یہ محال قطعی ہے کہ اس کی قساوت و شقاوت کبھی بھی کسی تڑپتے ہوئے جسم اور کسی پکارتی ہوئی زبان پر ایک لمحے ایک دقیقے اور ایک عشر دقیقے کے لئے بھی

کے نظارہ کا تحمل اپنے اندر پیدا نہ کرلے وہ سود خوار نہیں بن سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے
کہ اس کی قساوت و بے رحمی سب سے زیادہ سخت اور تمام جرائم کے عادیوں سے زیادہ
مستقل اور مستحکم ہوتی ہے۔ وہ چونکہ ہمیشہ اپنی بے رحمی کے شکاروں کی مظلومی کو
دیکھتا رہتا اور ان کی بے قراریوں کے ہونے کا اپنے دماغ کو عادی بناتا رہتا
ہے اس لئے رفتہ رفتہ اس کے تمام قوائے ملکوتیہ پر ایک عالم ممات طاری ہو جاتا
ہے اور رحم و ہمدردی کے جذبات اس طرح بیکار و معطل ہو جاتے ہیں کہ کوئی قوی
سے قوی محرک بھی ان کو زندہ نہیں کرسکتا۔

کیا بات ہے کہ ڈاکو رحم کرتا ہے مگر سود خوار کی آنکھیں ہمیشہ خشک رہتی ہیں؟
اس کا سبب یہ ہے کہ ظلم و انتقام اور [illegible] بے رحمی [illegible] مدت ڈاکو کو بھی نصیب
ہوتی ہیں اور [illegible] بہرحال [illegible] ایک [illegible] زندگی بسر ہو جاتی ہے

قرآن کریم اور [illegible]

کیا عجب ہے کہ اسی حالت خصوصی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے
جبکہ اس نے سود خواری کی زندگی کا نقشہ ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا جو اس کا
ضدِ حقیقی ہے۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہو
الا کما یقوم الذی یتخبطہ سکیں گے مگر اس پاگل کی طرح جسکو شیطان
الشیطان من المس ذلک بانہم کے اثر نے مخبوط الحواس بنا دیا ہو اور یہ اس
قالوا انما البیع مثل الربوا لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و بیع و شراء بھی
(۲-۲۷۶) مثل سود ہی کے ہے۔

ہیں۔ لوگ ان سے پناہ مانگتے ہیں لیکن روپے کا لین دین ایک ایسی شے ہے کہ خواہ کیسے ہی سخت سے سخت عنوان ظلم سے ہو۔ لیکن چونکہ احتیاج اور ضرورت کو وقتی اور فوری طور پر دور کرنے والی ہے۔ اس لئے انسان اس سے بھاگ نہیں سکتا بلکہ پناہ مانگنے کی جگہ خود ہی اس کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سود خوار ایک بے رحم ڈاکو اور خونخوار درندہ ہے لیکن جنگل کے ڈاکو سے نفرت کرتا۔ اور اس شہری ڈاکو کے آگے عاجزی سے ہاتھ جوڑتا ہے تاکہ وہ اسے اپنے دامن ظلم میں پھنسانے کے لئے چن لے اور اس کو مجروح تیغ تساد ولیے رحمی کرنے سے انکار نہ کرے۔!!

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اور تمام ہزار ہا انسانی بے رحمیاں بھی آبادی کو اس طرح نقصان نہیں پہنچا سکتیں جس درجہ پورے شہر میں ایک سود خوار کا وجود پہنچا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اس کو سب سے بڑی وعید الٰہی کا مستحق قرار دیتا ہے۔

اس کی علت اصلی

اصل یہ ہے کہ کسی خود غرضی کے عمل اور بے رحمی کے کام میں اس درجہ آ اور مداومت نہیں ہے جیسی کسی کاروبار کی بے رحمی میں۔ قاتل ایک شخص کو چند لمحوں میں قتل کر ڈالے گا۔ ڈاکو ایک گھنٹہ کے اندر ایک قافلے کو لوٹ لے گا۔ لیکن سود خوار کا عمل ظلم دائمی اور انسانی عمروں خاندانوں اور نسلوں تک جاری رہتا ہے وہ جس شکار کو پکڑتا ہے اسکی مظلومی و بیکسی کا نظارہ برسوں تک دیکھتا رہتا ہے اور جب تک ہمیشہ کے لئے اس کے تڑپنے لوٹنے اور کراہنے

ہی کا نتیجہ ہے اور جو آج کل ہونے والا ہے اس کی مثال آج چشم ہائے بصیرت اور دیدہ ہائے اعتبار کے لئے ہمارے سامنے کر دی گئی ہے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ہر نتیجہ عمل کو صرف قیامت ہی کے دن پر اُٹھا رکھا جائے اور خود دنیا میں جس شے کا سراغ لگ سکتا ہے اس کے لئے صرف دنیا سے باہر ہی کا نظارہ کریں۔

ایک تفسیری اشارہ :-

اصل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ایک سود خوار زندگی اس کے علامات و خصائص اس کے اعمال و افعال اور ان کے نتائج کی جیسی جامع و مانع تشبیہ دی گئی ہے وہ گویا اس مسئلہ کی ایک پوری کتاب ہے۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ شیطان اور جن کی ضرب سے انسان مجنون و لایعقل ہو جاتا ہے اور صرع (مرگی) کی بیماری در اصل ایک طرح کا آسیب ہوتا ہے (مس) جنون کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور (ممسوس) پاگل کو کہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں سود خوار زندگی کو ایک آسیب زدہ پاگل اور ایک مصروع کے حالات و خصائص سے تشبیہ دی ہے اور مقصود اس کے وہی حالات ہیں۔ جو اسے دنیا کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ ایک شخص جو پاگل ہو گیا ہو۔ ایک مجنون جس کی عقل و دانش معطل ہو ایک مخبوط الحواس جس کے ہوش و حواس کا کارخانہ بگڑ گیا ہو ایک مصروع جو مرگی کے اشتداد سے اپنے اوپر حکومت نہ رکھتا ہو غور کر کے دیکھیے کہ اس کی حالت کیا ہوتی ہے؟ وہ عام انسانوں کی طرح ایک کامل و سالم انسان ہوتا ہے اس کے تمام اعضاء و جوارح صحیح ہوتے ہیں۔ اس کے تمام اعیان و

افسوس ہے کہ اصل معدوم ہے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اس امر پر بالکل توجہ نہیں کی کہ سود خوار کی زندگی کو اس تمثیل کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اور پھر اس تمثیل اور حالت کا سبب "ذالك بانہم" کہ کر ان کے اس قول کو کیوں قرار دیا کہ "بیع بھی مثل سود کے ہے"؟

اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ ان بزرگوں میں سے اکثر نے اس بیان حالت کو بعض آثار مرویہ کی بناء پر صرف قیامت ہی کے دن کیلئے مخصوص کر دیا ہے اور اسکی تفسیر یوں کی ہے "لا یقومون - ای یوم القیامۃ من قبورھم" یعنی یہ حالت صرف قیامت ہی کے دن کی نسبت بیان کی گئی ہے اور سود خوار قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھوائے جائیں گے جیسے کوئی مصروع اور آسیب زدہ پاگل ہو کر اٹھتا ہے - اور پھر اسکی مختلف توجیہات قرار دی ہیں -

فی الحقیقت قرآن کریم کے حقائق و معارف کے متعلق آج ایک اہم مبحث ارباب نظر کے لئے یہی ہے کہ اس کے اکثر ارشادات و تمثیلات و بیانات جنہیں اسی دنیا کی زندگی اور ان کے اعمال و نتائج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صرف قیامت اور بعد الممات کی زندگی کے لئے مخصوص سمجھ لئے گئے ہیں - اور سخت ضرورت ہے کہ اس مبحث پر نظر ڈالی جائے -

مفسرین صحابہؓ کی جو روایات اس بارے میں موجود ہیں وہ یقیناً مستحق قبولیت ہیں یہ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی لغت عرب اور صحابہؓ کی تفسیر یہی دو چیزیں اصل ہیں اور اگر صرف انہیں دو اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے تو آج تمام مشکلات و غرائب قرآن کا خاتمہ ہے تاہم آخرت کی زندگی اس دنیا کی زندگی

شہری ہیں سب سے زیادہ ضروری جوہر جو ہونا چاہیئے اس میں نہیں ہے وہ باوجود انسان ہونے کے ایک خوفناک درندہ ہے۔ وہ باوجود ایک شریف زندگی ہونے کے رذالت و سفاہت اور بہیمیت و بربریت کا ایک پیکر مجسم ہے وہ باوجود ایک جائز باشندہ شہر ہونے کے درندوں کے بھٹ اور وحشیوں کے جنگل کا ایک جانور ہے اس نے گو تجارت کی دکان کھول دی ہے مگر وہ ایک ڈاکو ہے جو خود تاجروں کو لوٹتا اور بے رحم چوروں کی طرح ان کے صندوقوں کو خالی کر دیتا ہے۔

ایک پاگل آدمی باوجود انسان صورت ہونے کے انسان نہیں ہوتا کیونکہ اس کا نظام حواس و ادراک درہم برہم ہو جاتا ہے اور یہی شے انسان کا اصلی جوہر شرف ہے بالکل اسی طرح ایک سود خوار باوجود ایک جائز باشندہ شہر اور شریف زندگی ہونے کے شریف نہیں ہوتا کیونکہ اس کے تمام جذبات و عواطف ملکوتیہ اور فضائل۔ خصائل و اخلاق معطل ہو جاتے ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو معطل ہو جاتی ہیں تو :۔ فلم يتبر، الاصوات اللحم والدم

اور زیادہ اس تشبیہ پر نظر ڈالئے! ایک مصروع آدمی کھاتا ہے پیتا ہے عقل و حواس کی باتیں کرتا ہے بالکل ایک بھلے چنگے آدمی کی طرح آپ کے دسترخوان پر بیٹھا ہوتا ہے لیکن دفعتاً اسکی حالت میں ایک انقلاب عظیم ہو جاتا ہے ہاتھ پاؤں کھنچنے لگتے ہیں۔ اعصاب میں تشنج ہونے لگتا ہے خون کا دوران جاری ساری یکایک بند ہو جاتا ہے۔ بالکل اس مشین کی طرح جس کا انجن یکایک پھٹ گیا ہو۔ اس کے ہوش و حواس کے کیل پرزے بند ہو جاتے ہیں۔ وہ

جذبات بالکل ایک تندرست آدمی کی طرح درست ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر بیکار نہیں ہوتا۔ چلتا ہے پھرتا ہے بھوک کا اظہار کرتا ہے اور پیاس سے ویسا ہی بے قرار ہوتا ہے۔ جیساکہ دنیا کی ہر حیوانی مخلوق۔

تاہم وہ انسان نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسانوں میں ایک سب سے بڑی قیمتی چیز ہے جو اس میں نہیں ہوتی۔

یہی حال ایک سود خوار زندگی کا ہے۔ بظاہر اس میں کوئی برائی نہیں ہوتی وہ سوسائیٹی کا ایک جزو اور شہر کا ایک جائز باشندہ ہوتا ہے۔ عام تاجروں کی طرح اس کی بھی ایک تجارت ہوتی ہے وہ مبادلہ اشیاء کی تجارت نہیں کرتا تو کیا ہوا؟ ایک ہی جنس کو دیتا اور ایک ہی جنس کو لیتا ہے تو کیا نقصان لازم آگیا پھر بھی یہ ایک کاروبار اور بیع و شراء ہی ہے وہ ڈاکو کی طرح لوٹتا نہیں ہے وہ چور کی طرح چھپ کر چرانے نہیں آتا۔ جائز بیع و شراء میں پہلی شرط فریقین معاملہ کا راضی ہونا ہے، جبر و اکراہ کا نہ ہونا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ جب کبھی معاملہ کرتا ہے تو اس سے کرتا ہے جو اسکی شرائط کو خوشی سے منظور کرلے اور اس کے معاملے پر اپنی پوری رضا ظاہر کرتے ہیں وہ تلوار لے کر لوگوں کو نہیں دھمکاتا کہ اس سے روپیہ لیں اور اسکی شرائط کے آگے سر جھکا دیں۔

پس ایک شریف انسان ایک با امن شہری ایک جائز کاروباری آدمی میں جو کچھ ہونا چاہیے اس میں ہوتا ہے اور کوئی بات بظاہر اسکے خلاف نظر نہیں آتی۔

لیکن ان تمام مظاہر انسانیت مدنیت کے ساتھ دوسری طرف دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہے مگر ایک شریف انسان اور ایک کاروباری

ہے۔ صرع کے جن کی طرح سود خواری کا شیطان اس میں حلول کر جاتا ہے اسکی
طبیعت ثانیہ کے ہیجان کا اُبال اس کے دل کے اندر جوش کھا کھا کر اُبلنے لگتا ہے۔
شکل صورت متغیر ہو جاتی ہے۔ رحم و انسانیت کی لینت و نرمی کی جگہ وحشت
و سبعیت کے آثار و علائم سے اسکی پیشانی مکروہ ہو جاتی ہے اس کا چہرہ جو
چند لمحے پیشتر ایک انسان کی طرح حسین تھا۔ دفعتاً ایک خونخوار درندے کی
طرح مہیب ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں قساوت و بے رحمی کی سرخی پھر
جاتی ہے اس کی ناک کے نتھنے ہیجان غیظ و غضب سے خون آشام درندوں
کی طرح پھڑکنے لگتے ہیں۔ اس کا دماغ معطل ہو جاتا ہے اور تمام جذبات
و خصوصیات انسانیت و ملکوتیت اس کے صفحۂ ذہن سے یک لخت محو ہو جاتے
ہیں۔ پھر ایک مصروع اور آسیب زدہ مریض کی طرح وہ اپنے قابو میں نہیں
ہوتا اور نہ اس کے ہوش و حواس اس کے اختیار میں رہتے ہیں اس کے
سامنے صرف سود کا شیطان رہ جاتا ہے۔ جو اس کو مسمریزم کے معمول کی طرح اپنے
قبضے میں کر لیتا ہے اسکی آنکھ اور کان دونوں انسانیت کی حکمرانی سے باغی ہو کر
صرف شیطان کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ وہ سود کے سوا کچھ دیکھتا
ہے اور نہ وہ اس کے سوا کچھ سنتا ہے جس طرح ایک آسیب زدہ کسی مجہول
و غیر مرئی وجود کو دیکھ کر اس کو پکارتا اور اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح
وہ صرف سود ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور صرف سود ہی کی آواز سنتا
جاتا ہے۔ اس کا صید تہ ظلم اس کے سامنے خاک پر پڑے۔ زخمیوں کی
طرح چیخے یا جاں کنی میں تڑپنے والوں کی طرح تڑپے پر اس کو کچھ نظر نہیں

چکرا کر زمین پر گر جاتا ہے۔ احتضار موت کی سختیوں کی طرح ایڑیاں رگڑتا ہے منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے اور دیکھنے والے متحیر و متعجب ہو کر رہ جاتے ہیں کہ چند لمحوں کے اندر ایک صحیح و سالم مضبوط و توانا ذی حس و صاحب ہوش و حواس انسان کی حالت میں یہ کیا انقلاب عظیم ہو گیا۔؟

بعینہ یہی حالت سود خوار کی بھی ہوتی ہے عالم جذبات و عواطف کی دنیا بھی اجسام و جوارح انسانی کا ایک پرتو ہے ٹھیک ٹھیک مثل ایک مصروع کے دنیا کے سامنے وہ نمودار ہوتا ہے اس میں از فرق تا بقدم کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو ایک شریف اور شہری زندگی کی مخالف ہو۔ وہ جانوروں کی طرح جنگل کے پوشیدہ گوشوں اور پہاڑوں کے تاریک غاروں میں نہیں رہتا۔ بلکہ ہر مدنی وجود کی طرح شہر اور انسانوں کی آبادی میں نمودار ہوتا ہے وہ عین آبادی کے وسط میں مکان بنا کر رہتا ہے وہ کسی شریف شہری کی طرح بازاروں میں خرید و فروخت اور گھر کے اندر ملاقات و صحبت میں مصروف نظر آتا ہے۔ تم اس کو بہ طرح ایک شریف آدمی کی طرح پاتے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ نرمی و محبت سے باتیں کرتا ہے تمہارے استقبال کے لئے خوش آمدید کہتا۔ تم کو لطف و مدارات کے ساتھ لئے پاس بٹھاتا۔ تمہارے ساتھ کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے لیکن یا ایں ہمہ جبکہ تم ان مظاہر انسانیت سے متاثر ان علائق جیال و عواطف سے مطمئن اور ان ابراز تہذیب تمدن و حضریت سے خوش وقت ہوتے ہو تو یکا یک اس کے نظام جذبات و خصائل میں انقلاب عظیم پیدا ہونے لگتا

دولت بنی اُمیّہ

(۱)

حدیث "خیر القرون"

آپ نے چونکہ قرون اولیٰ کا لفظ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً وہی مشہور حدیث مُراد ہے جس کو امام مسلم اور ترمذی نے عمران بن حصین سے باختلاف بعض الفاظ روایت کیا ہے کہ :-

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ترمذی کی روایات میں خیر الناس قرنی اور خیر القرن الذی بعثت فیھم بھی ہے اور بعض میں خیر القرون قرنی"

حاصل سب کا یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: "بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کا، اور پھر اس کے بعد کا"

آتا۔ وہ مدہوش اور پاگل کی طرح ان سب باتوں سے بے پرواہ بے علم صرف "سود، سود، سود" کہہ کر پکارتا اور اس کے لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے۔

ان الذین یاکلون الربٰوا، لا یقومون الا کما یتخبطه الشیطان من المس

ہے مگر اس کے بعد :-

ثم یاتی من بعدھم قوم یتسمنون و یحبون السمن — ایک قوم آئے گی جو محض کثرت مال و جاہ و اکل و شرب اور عیش نفس اور اولاد و نمائش میں مبتلا ہو جائے گی۔

ترمذی جلد ۲ . باب الفتن

اس حدیث کا راوی اول عمران بن حصین ہے اور آگے چل کر مختلف رواۃ نے مختلف الفاظ میں روایت کی ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں بعض الفاظ زائد ہیں۔

مثلاً یشھدون ولا یستشھدون و یخونون ولا یؤتمنون و یفشوا فیھم السمن ترمذی نے اپنی اصطلاح میں اس کو "حسن صحیح" لکھا ہے اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے بعد وینذرون ولا یوفون و یظھر فیھم السمن بھی ہے اور اس سے علاوہ نفس پرستی، عیش پسندی اور دولت و جاہ و نمائش کے پندار و انہماک کے عدل و امانت اور ایفاء عہد و اخلاق حسنہ کا بھی اس جماعت میں نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پس یہی جماعت ہے جو خیر القرون کے سو سال عہد کے بعد نمودار ہوئی اور یہی دور تھا جس سے جوامر بالمعروف کے سد باب کا پہلا دن تھا اور یہی دور محدثات و بدعات، فتن و قلاقل اور شر و فساد امور کا ہے جس کی حضرت صادق و مصدوق ارواحی فداہ نے اسی حدیث میں جو جناب کے استشہاد و استدلال کا عروۃ الوثقیٰ ہے جس کی اطلاع کلام الٰہی نے بھی واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ فرما کر دے دی ہے

قرن کے مفہوم کے تعین میں محدثین نے غور و خوض کیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ "(خلافت میرے بعد صرف تیس برس تک ہے) موجود ہے اس لئے یقیناً اس حدیث میں قرن سے مراد دس برس کا زمانہ ہے، اور مقصود یہ ہے کہ بہترین دہ سالہ دور آنحضرت (صلعم) کا تھا اس کے بعد دوسرا عشرہ اور اس کے بعد تیسرا جس کے بقیہ چھ مہینے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی خلافت سے پورے ہوگئے اور پھر زمانہ شر و فتن کا شروع ہوگیا۔

پس گذارش ہے کہ زمانے کی نسبت میں نے محدثات و بدعات کی ابتدا لکھی ہے۔ اس سے خیر القرون کی شہادت کو کیا تعلق؟ آپ مجھے اس طرح کے غلط بیان سے کیوں تعجب و تحیر میں مبتلا کرتے ہیں۔ کہاں خیر القرون کا زمانہ خیریت و افضیلت اور کہاں دور امویہ و مروانیہ کے قرون جبر و تسلط ملک عضوض؟ خیر القرون کا عہد میمون تو بنی امیہ کی حکومت سے پیشتر ہی ختم ہوگیا تھا۔ اور فی الحقیقت وہی دور اسلام کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ اور اس کی عمر کا حاصل و مآل زندگی تھا۔

میں یقیناً اس زمانے کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سد باب کا پہلا دن اور محدثات و بدعات کی گرم بازاری کا آغاز عہد قرار دیتا ہوں جس کی نسبت اسی حدیث کے بقیہ ٹکڑے میں سرور کائنات صلعم نے پیش آنے والے امور کی خبر دی تھی اور جس کو جناب نے غالباً بخیال ایجاز و اختصار چھوڑ دیا مگر (میں کہ باوجود ارادہ سعی اختصار مبتلائے اطناب ہو چکا ہوں) اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا اور اس کے بعد کا

ہے :-

عن ابن بشیر عن حذیفہ
قال: قال (صلعم) تکون النبوۃ
فیکم ما شاء اللہ ثم تکون
خلافۃ علی منہاج النبوۃ
ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا
اللہ ثم تکون ملکا جبریۃ
تکون ما شاء اللہ
ان یکون، ثم تکون
خلافۃ علی منہاج النبوۃ
قال حبیب فلما قام
عمر ابن عبد العزیز
کتبت الیہ بهذا
الحدیث اذکرہ ایاہ و
قلت : ارجو ان تکون
امیر المومنین بعد الملک
العاض والجبریہ -

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ جبتک
اللہ کو منظور ہے تم میں وجود نبوت باقی
رہے گا اس کے بعد منہاج نبوت پر خلافت
قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا قائم رہے
گی اور پھر اٹھالی جائے گی اسکے بعد جور وظلم
کی بادشاہت شروع ہوگی اور جبتک منظور
الٰہی ہے رہے گی۔ اسکے بعد محض جبر و تسلط
کی حکومت ہوگی۔ اور وہ بھی مشیت الٰہی کے
مطابق رہے گی لیکن اس کے بعد پھر ایک دور
خلافت نبوت کے دور کا آئے گا۔

حبیب کہتے ہیں کہ جب عمر ابن عبد العزیز
کو خلافت پہنچی تو میں نے یہ حدیث
ان کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ مجھے امید ہے کہ
آپ اس حدیث کی خبر کے مطابق ملک
عضوض و جبر کے بعد محض بادشاہ ہی نہیں
بلکہ امیر المومنین ہوں گے!

اس میں زمانے کی قید نہیں ہے مگر ترمذی کی حدیث میں جسکو امام
موصوف نے دوسری جلد کے باب الفتن میں درج کیا ہے زیادہ تصریح ہے:-

صدق اللہ العلی العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم،
ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین۔

اخبار ظہور فتن ومنکرات

اصل یہ ہے کہ اخبار ظہور فتن و تحدید از منہ خیر وفضیلت کی نسبت اگر شرح وبسط کے ساتھ لکھا جائے تو اتنا وافر ذخیرہ ہے اور اس کے متعلق بعض ایسے اہم مباحث ہیں کہ ایک پورا رسالہ چاہیئے اسکی مہلت کہاں اور پھر ضرورت بھی نہیں۔ آپ نے ذکر دیا تو کیا کروں؟ باوجود ارادہ اختصار واجمال خود بخود بحث بڑھتی جاتی ہے۔

اس بارے میں جو احادیث صحاح اور دیگر اسفار حدیث میں مروی ہیں اور آثار صحابہ وتابعین میں اس کی جو تطبیق وتصدیق کی گئی ہے ان سب پر نظر ڈال کر علماء سلف نے اس مسئلہ کو تقریباً حل کر دیا ہے ان کا بیان ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اور صاف پیشین گوئی اس بارے میں خیر القرون والی حدیث ہے جسکو اس مبحث کا اساس و بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اس میں آنحضرت نے اپنے عہد رسالت، اس کے بعد دو زمانوں کو یکے بعد دیگرے بہترین قرار دیا اور یہی زمانہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عہد طلائی تھا یہ زمانہ امیر معاویہؓ کی خلافت سے پہلے ختم ہوگیا اور اسکی تصدیق ان احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں بتصریح اسکی اطلاع دی گئی ہے۔

چنانچہ خیر القرون والی حدیث کے مطالعہ کے بعد اس حدیث کو دیکھے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الانذار والتحذیر" کی تیسری فصل میں درج کیا

پھر اس کے بعد محض "ملک عضوض" اور "ملک جبریہ" کا عہد فتن و فساد شروع ہو گیا اور وہی دور بنی اُمیہ اور امر بالمعروف کے سد باب کا پہلا دن تھا۔

یہ امر یہاں ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ان احادیث اور نیز ان کے اہم مطلب احادیث کی نسبت اس عاجز نے اپنے خاص پیش نظر مباحث سے اس موقع پر کچھ کام نہیں لیا ہے چونکہ جناب نے خیر القرون کی حدیث کی طرف اشارہ کیا اور ان احادیث سے جا بجا استشہاد فرمایا اس لئے ضروری ہوا کہ جناب کو احادیث ہی کی طرف توجہ دلائی جائے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ ان احادیث پر جناب نے نظر نہیں ڈالی اور اس عاجز کے اتنا لکھ دینے پر کہ بنی اُمیہ کے عہد میں بدعات و محدثات کا بازار گرم ہوا، اس قدر متالم و متاذی ہوئے، جس عہد کی نسبت یہ تصریحات موجود ہیں اس کی نسبت ضمناً کسی موقع پر کچھ اشارہ کر دینے کا بھی آج کسی قلم کو حق نہیں؟ اور کیا ان احادیث سے بالکل غض بصر کر لینے کی علت دریافت کرنے کی اس عاجز کو اجازت ملے گی۔

یہ تو مشہور ترین احادیث تھیں۔ جن کو مشکوٰۃ وغیرہ میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کیا وہ حدیث بھی جناب کو یاد ہے جس کو ترمذی "ابواب الفتن کے باب ما جاء فی الشام" میں لائے ہیں؟ اور جس کو ابن قرہ نے بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ۔ "اذا فسد اهل الشام فلا خیر فیکم"؟ اور نیز ان احادیث کے محامل تابعین و تبع تابعین و محدثین نے قرار دیئے ہیں جن میں ظہور فتن سے بھرے ہوئے ہیں؟ مثلاً "سکون فتن" القاعد منها خیر من القائم والنائم

عن سعید بن جمھان
قال ثنی سفینۃ، قال: قال
(صلعم) الخلافۃ فی امتی
ثلاثون سنۃ ثم ملک
بعد ذالک ثم قال لی
سفینۃ: امسک خلافۃ
ابی بکر، ثم قال: و
خلافۃ عمر، و خلافۃ
عثمان، ثم قال امسک
خلافۃ علی فوجدنا ھا
ثلاثین سنۃ قال سعید
فقلت لہ ان بنی امیۃ
یزعمون ان الخلافۃ فیھم
قال: کذبوا بنو الزرقاء
بل ھم الملوک من شر
الملوک (ناصل)

سعیدؒ سے روایت ہے کہ سفینہؓ نے آنحضرت
کے اس قول کو روایت کیا کہ خلافت میری
امت میں صرف تیس سال رہے گی پھر اس
کے بعد محض حکومت اور بادشاہت ہے
اس کے بعد سعیدؒ کہتے ہیں کہ مجھے سفینہ نے کہا
کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت شمار کرو۔
میں نے کیا۔ پھر کہا کہ حضرت عمر و عثمان و
علی کا عہد خلافت شمار کرو۔ میں نے سب کو جمع
کیا تو کل تیس سال ہوئے پھر میں نے کہا یہ تو
سچ ہے لیکن بنی امیہ جو سمجھتے ہیں کہ ہم ہی خلیفہ
ہیں یہ کیسی بات ہے حالانکہ بموجب اس حدیث
اور تمہاری بیان کردہ تطبیق کے خلافت قبل
از بنی امیہ ختم ہو گئی؟ اس پر سعیدؒ نے کہا کہ زرقا
کی اولاد نے (بنی امیہ نے) کذب بیانی اختیار کی
وہ خلیفہ کہاں ہیں؟ وہ تو شریر ترین بادشاہوں
میں سے بادشاہ ہیں۔"

ان تمام احادیث کی تطبیق سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بہترین قرن آنحضرتؐ کا تھا۔ اس کے بعد شیخینؓ کی خلافت کا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے نصف سے عام الجماعت تک کا، جبکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے کنارہ کشی فرمائی۔ اور

آگے چل کر کس قدر پُر غیظ لہجے میں ارشاد ہوتا ہے۔

"بنی اُمیّہ لاکھ بُرے سہی پھر بھی اپنے بعد والوں سے لاکھ درجہ اچھے تھے۔ آج کل کے مسلمانوں کو انہیں بُرا کہنے کا کوئی حق نہیں۔"

مخدوما! ان دو سطروں میں کئی غلطیاں ہیں۔ اول تو لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ اشر منہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مقدم مؤخر سے افضل ہو مقصود من حیث القوم اور من حیث الاکثر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اُمیّہ کے زمانے میں جمعیت اسلام اور ممالک اسلامیہ [illegible] کے زمانے سے ہزار درجہ بہتر تھے۔ عرب کی اصلی سادگی اور آزادی جینے کے اندر نمایاں تھی صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا گروہ عرصہ تک موجود رہا۔ تمام [illegible] اہلبیت مطہرہ اور [illegible] رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے موجود رہے مسلمانوں [illegible] فتوحات بالکل [illegible] [illegible] وغیرہ [illegible] فساد [illegible] [illegible] گزشتہ زمانے [illegible] یہاں تک [illegible] تھا ہوا اور آج جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔

پھر ایک [illegible] کی نسبت بھی حدود مقرر ہونے چاہئیں [illegible]

(بقیہ صفحہ ۱۶۰) زمانہ [illegible] کا [illegible] تھے۔ در حقیقت اسلام کے [illegible] کے لئے ایسا شدید فتنہ تھا جس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ [illegible] تھے کہ باوجود ایسے مقامات عظیمہ کے کیونکر اپنے عہد ابتدائی میں اسلام کی [illegible] [illegible]

فیها خیر من الماشی خیر من الساعی (متفق علیه)

براہ کرم اس بارے میں کنز العمال کے ابواب فتن، یا کتب دلائل و خصائص مثل خصائص سیوطی وغیرہ کے ابواب پر ایک نظر ڈال لیجئے، اور خدارا اس پر تعجب نہ کیجئے کہ بدعات و محدثات کی گرم بازاری دورِ بنی اُمیّہ میں کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے۔؟

اگر طبرانی و حاکم اور بیہقی اور ابونعیم اصفہانی وغیرہ کی مرویات پر بھی نظر ڈال لی جائے تو دورِ بنی اُمیّہ حتیٰ کہ بعد از شہادت حضرت فاروقؓ فتنہ و فساد و منکرات و بدعات کے متعلق ایک ذخیرہ ذفاتر و مواد مجتمعاً کثیر موجود ہے[1]

---

[1] احمد و بیہقی اور طبرانی نے عروہ بن قیسؓ سے روایت کی ہے قال خطب خالد بن الولید ان الفتن قد ظهرت فقال لها اما وابن الخطاب حی فلا انما تکون بعده۔ حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ اور جمع الجوامع میں ایک خاص باب اس عنوان سے باندھا ہے کہ "خبره صلعم بالفتنة وان بعدها قتل عمر" یعنی آنحضرت کی خبر دہی فتنہ کی نسبت اور یہ کہ اس کا مبدا حضرت عمرؓ کا شہید ہونا ہے۔ اس باب کی بنیاد تو بخاری و مسلم کی حذیفہ والی حدیث ہے جو مشہور ہے لیکن اسکے علاوہ دیگر سنن و مسانید و معاجم کی حدیثیں بھی بکثرت جمع کی ہیں جن سے گویا استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ہی فتنہ شروع ہوگا اور ان کا وجود ایک دیوار درمیان امن و فتن کے ہے۔

غور کیجئے تو شہادت حضرت عثمانؓ اور پھر جنگ صفین وغیرہ کے وہ تقاتلات جن کی دس کم سو لڑائیوں میں بروایت مشہور ستر ہزار صحابہ و مسلمین قتل ہوئے اور جن میں ۲۰ سے

قال لعمار: تقتلک الفئة دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ایک باغی گروہ قتل
الباغیة (بخاری ومسلم) کرے گا۔

حافظ سیوطیؒ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

ھذا الحدیث متواتر، رواہ من الصحابة بضعة عشر کما بینت ذالک فی الاحادیث (خصائص کبریٰ جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۰)

یہ تو صحیحین کی حدیث ہے لیکن امام احمد و حاکم اور طبرانی نے عمرو ابن العاص سے روایت کی ہے کہ سمعت رسول اللہ (صلعم) یقول: اولعت قریش بعمار، قاتل عمار وسالبه فی النار

یہ احادیث صفین کے اہل شام کی نسبت قرار دی جاتی ہیں پھر انصاف فرمائیے کہ میں نے اگر عام حکومت بنی امیہ کی نسبت ظلم کی نسبت دی تو میرے اس جرم کے دیگر شرکاء کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے۔؟

جناب نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ تو قطعاً پڑھی ہو گی۔ قضا کے ابواب میں کوئی اس قسم کی عبارت بھی جناب کو یاد ہے جسکے الفاظ یہ ہیں؟

یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر کما یجوز من العادل، لان الصحابة تقلدوا من معاویة والتابعین تقلدوا من الحجاج (ھدایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ ص ۱۱۷)

ظالم بادشاہ کی طرف سے قضا کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔ چنانچہ صحابہ نے معاویہ کی جانب سے قبول کیا تھا۔ نیز حجاج سے تابعین نے

صاحب ہدایہ کے اس لاابالانہ طریق ذکر کی نسبت جناب کا کیا خیال ہے

کی تمیز اٹھ جائے گی۔ الحب فی للہ والبغض فی اللہ" تمام اعمال وافعال میں مسلمانوں کا محور اعمال ہیں اور اچھے اعمال کو اچھا سمجھنا، اور برائی کو خواہ وہ کسی عہد میں ہوئی ہو۔ برا یقین کرنا، ایک ایسی شے ہے جس کا خود ہمارے اعمال وخصائل پر اثر پڑتا ہے۔ اشخاص کی بحث خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اعمال پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ یزید کے مظالم پر بعد کو آنے والے کیوں فریادی ہیں حالانکہ آپ کے اصول کے مطابق تو "لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ اشد منہ"

اطلاق لفظ فسق وظلم نسبت بنی امیہ:-

۹- بہت زیادہ تأسف جناب کو اس مضمون کی خون سے شرابور تصویر پر ہے اور اس پر کہ بنی امیہ کی طرف ظلم وفسق کو کیوں نسبت دی گئی۔؟ خیر اور تمام باتوں کو جانے دیجئے۔ آپ ترمذی کی اس حدیث کی نسبت کیا کہتے ہیں جو اوپر گذر چکی ہے اور جس میں سفینہ کا بنی امیہ کی نسبت یہ قول نقل کیا ہے کہ "بل ھم ملوک من شر الملوک"؟

قاتلین عمار بن یاسر:-

پھر ان احادیث مشہورہ (اور بقول سیوطی متواترہ) کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے جن میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تھی جو جنگ صفین میں اہل شام کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور جن میں ان کے قاتلوں کی نسبت "فئۃ الباغیۃ" کا وصف فرما دیا گیا تھا۔

من ام سلمۃ وابی قتادۃ	ام سلمہؓ اور قتادہؓ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ (صلعم)	آنحضرت (صلعم) نے فرمایا: اے عمار! میں

جناب کا یہ اشارہ الہلال کے مضمون زیر نقد کی اس عبارت کی طرف ہے۔

اگرچہ طرح طرح کی بدعات و محدثات کا بازار (خلفاء راشدین کے بعد)
رم ہو گیا تھا تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرآنی کا اثر ابھی بالکل
ازہ تھا اس لئے پھر بھی امر بالمعروف کی آواز کی گرج کوفہ و دمشق کے ایوان و محل
لرزا دیتی تھی۔ ساٹھ برس کی ایک بڑھیا عورت برسر دربار بلائی جاتی تھی اور امیر
عاویہ کے سامنے بے دھڑک اپنے وہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ پڑھتی تھی جن میں
صرف حضرت امیر کے مناقب ہوتے تھے بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بنی امیہ
کے فضائح و مثالب بیان کئے گئے ہیں۔ الخ (الہلال جلد ۲ نمبر ا صفحہ ۶)

اب اس وقت یاد نہیں آتا کہ اس مضمون میں کس عورت کی جرأت و دلیری
و حق گوئی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ جو "ہفوات" سے ملقب ہونے کی مستحق قرار پائی ہے
امیر معاویہؓ کے سامنے اس طرح کی محب اہل بیت اور صداقت پرست و جرأت فرما
عورتوں کے آنے سوال و جواب میں خطبات بلیغہ و موثرہ دینے اور اپنے اشعار
مدحیہ حضرت امیرؓ سنانے کے متعدد واقعات تاریخ و مختارات ادبیہ میں منقول
ہیں اور فی الحقیقت عرب کی آزادی، اسلام کی تعلیم حریت اور قرون اولیٰ
کے امر بالمعروف کی تاریخ میں ان میں سے ہر عورت، شرف و احترام اور
عظمت و کمال کا ایک درجہ مخصوص و ممتاز رکھتی ہے۔

صاحب عقد الفرید وغیرہ اور امام ابو الفضل ابن طاہر نے "بلاغات النساء"[۵]

---

۵ بلاغات النساء امام ابو الفضل احمد بن ابی طاہر بغدادی متوفی ۲۸۰ھ کی ایک
نہایت دلچسپ کتاب ہے جس میں جاہلیت و عہد اسلام کی مشہور عورتوں کے اقوال (باقی صفحہ پر)

۱۰۔ جناب نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ :۔

"آپ کی ان تلخ کلامیوں نے روافض" کی یاد تازہ کر دی جنہوں نے صحابہ کو سب وشتم کرنا اپنا پیشہ بنا لیا ہے"

لیکن اگر اعمال مردانیہ کو ظلم وجور کے لفظ سے تعبیر کرنا رفض ہے، تو میں بکمال مسرت وانبساط وہی کہوں گا۔ جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ :۔

فلیشہد الثقلان انی رافضی

اور خوش ہوں گا کہ یہ ایک ایسا رفض محبوب ومطلوب ہے، جس میں الحمد للہ میرے ساتھ وہ وہ لوگ شریک ہیں جن کا نام آج دنیا اسلام بغیر دعا و تحیت کے نہیں لیتی :

"نازم بکفر خود کہ بایمان برابر است!"

رہا تبرا اور سب وشتم۔ تو افسوس ہے کہ اس بدعت شنیعہ کی بنیاد اولین بھی بنو امیہ ہی نے رکھی۔ جو علانیہ برسر منبر ذکر خدا اور رسول کے ساتھ حضرت امیر پر لعنت بھیجتے تھے اور آج کل اتباع ہے جو شیعی دنیا بدنام کر رہی ہے۔

رمتنی بدائها وانسلت :۔

۱۱۔ جناب نے آخر میں الہلال کے مضمون زیر نقد کے ایک جملے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور لکھا ہے :۔

"ستم تو یہ ہے کہ جناب ان کے اسی ضرب المثل حلم اور ساٹھ برس کی بڑھیا عورت کے ہفوات سے درگذر فرما جانے کو خدا جانے کن نگاہوں سے ملاحظہ فرماتے ہیں؟"

صفقت نفسہ فی الفلاء ضلالۃ ∴ اغواک عمرو للشقاء وسعید
فارجع بانکد طائر بنحوس سہا ∴ لاقت علیاً اسعد وسعود،

سعید بھی موجود تھا۔ اُس نے کہا کہ اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ اشعار بھی اسی کے ہیں:۔

قد کنت امل ان اموت ولاا ری ∴ فرق المنابر من امیۃ خاطبا
فاللہ اخر مدتی، فتطاولت ∴ حتی رایت من الزمان عجائبا
فی کل یوم لایزال خطیبھم ∴ وسط الجموع لآل احمد عائبا

یعنی میری آرزو تھی کہ مجھے موت آجائے، مگر اس وقت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں، جبکہ بنی اُمیہ کا کوئی فرد منبر پر خطیب نظر آئے! مگر افسوس کہ میری آرزو پوری نہ ہوئی اور اللہ نے میری موت کے وقت کو بڑھا دیا یہاں تک کہ آج میں زمانے کے انقلابات کے عجیب عجیب رنگ دیکھ رہی ہوں مسجدوں کے منبروں پر بنی اُمیہ کے خطیب چڑھتے ہیں۔ اور آل محمد پر علانیہ لعن وطعن کرتے ہیں۔

بکارہ نے ان بیانات کو سن کر امیر معاویہؓ سے کہا:۔

تیرے بھونکتے کتے مجھ پر حملہ کر رہے ہیں اور میرا عصاء دفاع ضعیف ہے۔ کہ ان کو ہنکا نہیں سکتی۔ بیشک ان اشعار کی میں ہی مصنف ہوں۔ میں پسند نہیں کرتی کہ ان سے انکار کروں۔ اب میں واپس جاتی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین علیؓ کے بعد زندگی میں کوئی خوشی نہیں ہے" (بلاغات النساء صفحہ ۱۹)

اسی طرح سودہ بنت عمارہ رحمہا اللہ کا واقعہ بھی مسلمانوں کیلئے حق گوئی

میں سودہ بنتِ عمارہ، زرقا بنتِ عدی اور بکارت الہلالیہ، عکرشہ بنت الاطش اور ام البراء بنتِ صفوان کا ذکر کیا ہے جنہوں نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی اور حضرت امیرؑ کی نصرت و حمایت میں جانبدارانہ حصہ لیا تھا۔ پھر امیر معاویہ کے تسلّط کے بعد یہ لوگ مختلف تقریبات میں اس کے سامنے پیش ہوئے ہیں اور ان کو امیر معاویہ نے وہ زمانہ یاد دلایا ہے۔ اس پر نہایت بے باکانہ وحق گویانہ حضرت امیرؑ کے فضائل بیان کئے ہیں اور تمام اہل دربار کو اپنی عظمت حق گوئی سے متحیر و متعجب بنا دیا ہے۔

ازاں جملہ (بکارت الہلالیہ) کے وفد کا واقعہ نہایت مؤثر ہے اور غالباً اس مضمون میں میں اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

صاحب بلاغات النساء نے لکھا ہے کہ الہلالیہ بالکل بڑھاپے اور ضعف و ناتوانی کے عالم میں ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے دربار میں گئی وہ اس قدر ضعیف تھی کہ دو عورتیں دو طرف سے اسے تھام کر لائی تھیں۔ وہاں مروان بن حکم اور عمرو ابن عاص بھی موجود تھے۔ انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ آپ نے اسے پہچانا؟ یہ وہ عورت ہے جس نے جنگ صفین میں ہم لوگوں سے مقابلہ کیا تھا اور یہ اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتی تھی۔

انری ابن هند للخلافۃ مالکا ؛ هیهات ذالک وما اراد لعید

(بقیہ صد سے آگے) خطبات اور بلاغات و نوادر کو بطرز احسن و بہ تقسیم مواد و ترتیب ابواب جمع کیا ہے اور اس بارے میں اس کا مطالعہ عقد الفرید و آغانی وغیرہ سے زیادہ مفید اور دلچسپ ہے، مصر میں چھپ گئی ہے۔ (منہ)

بہرحال اس مضمون میں یا سودہ کی طرف اشارہ تھا یا بکارت الہلالیہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی طرف ۔ آپ اسکو "ایک بڑھیا کے ہفوات" سے تعبیر کر کے شاید کوئی خوشی حاصل فرماتے ہوں گے ۔ مگر یقین کیجیے کہ آپ کے الفاظ پڑھ کر میری آنکھوں سے تو آنسو نکل پڑے سبحان من لا یتغیر!! ایک زمانہ تھا کہ ہم میں سے بڑھیا عورتوں کے اندر اسلام کا ایسا سچا اتباع ، حق اور حریت کے ایسے گرانمایہ امتثال امر بالمعروف کا ایسا سچا ولولہ اور آزادی و صداقت کی ایسی غیر متزلزل محبت تھی ۔ اور ایک زمانہ آج کل ہے ۔ جبکہ مردان اسلام اور رجال علم و فضل ایسی مثالوں کا پیش کرنا تو ایک طرف رہا ۔ ان کو "ہفوات" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔!!

اللہ اللہ! اس مقدس مسلمہ و مومنہ کا مقام عالی اور مرتبۂ ارفع! جس کے دل کو خدا نے خاندان نبوت کی محبت و عشق کا کاشانہ بنایا جسکو حق کی معیت کی توفیق ملی جس نے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت میں اپنی سیف لسان کے جوہر دکھلائے اور جس کی حریت و آزادی اور حق پرستی و صداقت پژوہی کو تخت دمشق کی شوکت قیصری اور ابہت عجمی مرعوب کر سکی ۔ آپ اس کے کارنامۂ حق پرستی کو ہفوات و ترہات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کیجیے لیکن مجھ کو تو اگر اپنی تمام زندگی میں ان "ہفوات" کی ایک مرتبہ پیروی کرنے کی بھی سچی توفیق مل جائے تو اپنی قسمت پر ناز کروں کہ میری بخشش کا سامان ہو گیا ۔

تو و طوبیٰ و ما و قامت دوست ؛ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اور صدق لہجہ کی ایک مثال عظیم اور اسوہ حسنہ ہے یہ امیر معاویہؓ کی تخت نشینی کے بعد اس کے سامنے آئی تو امیر نے پوچھا:۔

" کیا تو وہی عورت نہیں ہے۔ جس نے ایام جنگ صفین میں یہ اشعار کہے تھے؟

شمر کفعل ابیک یابن عمارۃ	یوم الطعان وملتقی الاقران
وانصر علیاً والحسین ورھطہ	واقصد لھند وابنھا بھوان
ان الامام اخو النبی محمدؐ	علم الھدی ومنارۃ الایمان
فقہ الحتوف وسر امام لوائہ	قدما بابیض صارم وسنات

سودہ نے کہا۔

اے واللہ! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو حق سے وقت پر پھر جاتے ہیں۔ اور کذب گوئی کے لئے حیلہ طراز بیاں کرتے ہیں۔ بے شک میں ہی ہوں جس نے یوم صفین میں یہ اشعار کہے تھے "

امیر نے کہا: کیا شے تھی جس نے ان اشعار کے کہنے پر تجھ کو آمادہ کیا؟

سودہ نے بیباکانہ و مسلمانہ کہا:۔

حب علی رضی اللہ عنہ واتباع الحق۔ حضرت علی کی محبت اور حق کی پیروی!" (ایضاً صفحہ ۳٦)

(الہلال) میں (احرار اسلام) کا باب تاریخ اسلام کے ایسے ہی امثال جلیلہ کے احیاء ذکر کے لئے تھا۔ مگر افسوس کہ ہجوم اشغال نے مہلت نہ دی کہ ایک آدمی کیا کیا کرے؟۔

مذاکرہ کی نسبت اربابِ عصر کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض حضرات ان کو اس درجہ اہم اور اقدم سمجھتے ہیں کہ دین و دنیا کا کوئی خیال اور اسلام و مسلمین کی کوئی مصلحت ان کی نظروں میں ان سے اہم تر نظر نہیں آتی اور ان کے عقیدے میں اب مسلمانوں کے لئے اس کے سوا دنیا میں کوئی کام باقی نہیں رہا ہے کہ گذشتہ منازعات و مناقشات کی نسبت تصنیف و تالیف و جرح و تعدیل کا بازار گرم کیا جائے، اور قوم و ملت اپنی زندگی کو اس کے مطالعہ کے لئے وقف کر دے!

ان بزرگوں کے ساتھ ایک دوسرا روشن خیال "اتحاد دوست اور مصلحت" فرما طبقہ ہے جس کا خیال ہے کہ اس طرح کے تمام مباحث چونکہ اکثی مصالحہ "مصلحت وقت" کے خلاف ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ہمیشہ کے لئے ان کو مدفون مقبرۂ ذہول و نسیاں کر دیا جائے۔ اور کبھی ان کی طرف اشارہ بھی نہ ہو۔

گویا اس خیال کے بزرگوں کے نزدیک سیاہ و سفید، حق و باطل صدق و کذب، نور و ظلمت اور معروف و منکر کی بنیاد، حقیقت نہیں بلکہ "مصلحت" ہے۔ اور تمام تاریخی اسفار اور مجلدات دنیا سے نابود کر دینا چاہئیں کیونکہ وہ "مصلحت وقت" کے خلاف ہیں۔!!

لیکن اس عاجز کا مسلک ان دونوں مذاہب سے مختلف ہے میں دونوں جماعتوں کو افراط و تفریط میں دیکھتا ہوں۔ اپنی تمام قوتِ علم و دین کو محض تاراج مجادلہ و مکابرہ کرنا اور امور متنازعہ کو خواہ مخواہ زندہ کرکے

مخدوم من! معاف فرمائیے گا۔ عقاید نسفی ہی کے اندر سب کچھ نہیں ہے اس سے باہر بھی ذرا اپنی نظر وسیع فرمائیے۔ حق کی بحث فریقانہ تعصبات سے ارفع واعلیٰ ہے اور اہل حق کا مسلک عدل کا اعتدال اور افراط و تفریط سے اجتناب ہونا چاہیے۔ آپ کو میری اس تحریر میں "رفاض" کے سب و شتم کا طریقہ نظر آیا کہ نواصب کی بدعات کا ضمنی تذکرہ بھی آپ کے خیال میں مترادف "رفاض" ہے نہیں سمجھتا کہ اس بارے میں کیا عرض کروں؟ تاہم اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ الحمد للہ، اہل بیت نبوت کی محبت سے ناقص المرام و ناکام اندوز ہوں اور اس عالم میں ہوں کہ جب خدا کے حضور میں عبادت کیلئے جاتا ہوں۔ تو میری نماز بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی۔ جب تک کہ آل محمد پر درود و سلام و تحیت کا ہدیہ پیش بارگاہ حضرت تبارک تعالیٰ نہ کر لوں۔ اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی آل محمد کما صلیت وسلمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیہ لا صلوٰۃ لہ

میں نشہد میں درود کو اصطلاحی واجب نہیں بلکہ حقیقی واجب یعنی فرض سمجھتا ہوں۔ فنسال اللہ تعالیٰ ان یجعلنا علی اتباع الکتاب وقرنائہ اھل بیت النبی الکریم علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم

۱۲۔ آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے مباحث د

بنی ہاشم اور بنی امیہ کے منازعات کا ذکر تھا اور نہ جمل و صفین کا نہ تعین تھی اور نہ تشخص۔ لیکن جناب نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس کو رسم سب وشتم و اتباع "رفاض" و سب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تعبیر کیا۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ بسبیل اجمال اپنے خیالات ظاہر کر دوں۔ یہ کیونکر ممکن ہے ... کہ واقعات سے بالکل چشم پوشی کر لی جائے اور یہ کیا استبداد و قہر اور حکم بندش قلم و لسان نہیں کہ ضمناً بھی کہیں صاحبانِ اعمالِ خیر کی مدحت اور مؤسسین بدعات و محدثات کی طرف اشارۂ منقصت نہ ہو!

۱۴۳۔ بس یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے الملال کے چند صفحات اس کی نذر ہو گئے۔ نیز اس لئے بھی کہ اس بارے میں جناب کا اصرار شدید تھا ورنہ قارئین کرام پر واضح رہے کہ اس عاجز کے قلم و دماغ کے لئے امویہ و عباسیہ مبحث نہیں۔ بلکہ اب تو اسلام کا سوال درپیش ہے اور تاریخ اسلام کا حفظ نہیں۔ بلکہ نفس اسلام کے حفظ کی مہم سامنے ہے۔ اب اس وقت "صفین" اور "جمل" کے واقعات پر غور کرنے کی مہلت کہاں سے لائیں کہ "یوم بدر" اور "احزاب" کے واقعات تازہ ہو رہے ہیں!!

مرحوم غالب نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا ہے۔

بحث و جدل بجائے ماں، میکدہ جوئے کاندراں
کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

امن و اتحاد و جمعیت کلمہ میں خلل انداز ہوتا۔ عقل و شرع، دونوں کے لحاظ سے مضر ہے لیکن ساتھ ہی میں اس "مصلحت اندیشی" کا بھی قائل نہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخی مباحث و تحقیقات کا سدباب کردیا جائے۔ تصحیح خیال، تعدیل اعتقاد، تمجید اعمال حسنہ و ذم افعال سیئہ کو روک دیا جائے۔ اور دفاتر اخبار، و اسفار آثار کے دروازوں پر یک قلم قفل چڑھا دیا جائے۔

تاہم بحالت موجودہ میں اسکی بالکل ضرورت نہیں دیکھتا کہ ان مباحث میں اپنا اور ناظرین کا وقت صرف کروں۔ وہ وقت کہ ہماری فرصتیں قلیل اور ضرورتیں لاتعداد لاتحصٰی ہیں اور پھر یہ بحثیں تو ہماری زندگی سے وابستہ ہیں۔ لیکن پیش آنے والے حالات تو وہ ہیں کہ ہماری زندگی ہی کو مشکوک اور ہماری ہستی ہی کو مفقود کردینے والے ہیں۔

الہلال کی گزشتہ جلد کے اختتام اور نئی جلد کے فاتحہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی (کہ اصل مقصود الہلال ہے) تاریخ کی طرف مختصر سا اشارہ کیا گیا تھا۔ اور اس قصص مخصوص امت مرحومہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہر زمانے میں حکمت الٰہیہ نے احیاء شریعت و امر بالمعروف کے لئے برگزیدگان امت کو منتخب کیا۔ اور ان کے ذریعہ حق کا اعلان، اور باطل کا استیصال ظہور میں آیا۔ اسی ضمن میں یہ ذکر بھی آگیا تھا کہ اسلام کا اصلی دور زندگی ابتدائی عہد راشد تھا، اور پھر اسکے بعد ہی بدعات و محدثات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا وہاں نہ

محاصرۂ بیت المقدس

تاریخ عروج و زوال امم کا ایک دردانگیز افسانہ

۷۰ ویں عیسوی سن کا آغاز تھا کہ روم سے جنگ آزماؤں اور حملہ آوروں کا ایک سیلابِ عظیم شام کی طرف اُمنڈا۔ اور شہنشاہ طیطس (TITUS) نے بنی اسرائیل کی ہزارہا سالہ عظمت و جبروت کے مسکن حضرت داؤد کے عظیم الشان ہیکل اور تخت گاہ (سلیمان) پر فوج کشی کر دی۔ اسرائیل کے گھرانے کی یہ وہ آخری بربادی تھی جس کی (یسعیا) نبی نے خبر دی تھی اور نسلِ اسحٰق کی بداعمالیوں کی وہ سب سے آخری سزا تھی جس پر (خرقیل) نبی نے ماتم کیا تھا۔ اور خداوند نے کہا تھا کہ اے اسرائیل کی بدکار عورت! تو نے مجھے چھوڑ دیا پس میں غیر قوموں کو بھیجوں گا جو تیری عظمت و ناموس کو ناپاک کریں گے۔" خرقیل۔ (۱۵:۲۵)

تھے علی الخصوص طویل وزنی گرز، سنگ بار منجنیق، آتش افشاں پہیہ دار منارے اور قدیم زمانے کا وہ عجیب و غریب آلۂ جنگ جس کے لئے عربی بھونا (کیٹش) کا لفظ مستعمل ہو گیا تھا۔

گرز :- قدیم قوموں کا سب سے بڑا آلۂ جنگ تھا۔ جس کو رستم و سہراب کے کاندھوں پر شاہنامے میں ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے لیکن رومیوں کے پاس ایک خاص طرح کا گرز ہوتا تھا۔ جس کو محاصرے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ معمولی گرز سے بہت زیادہ لمبا، اور اس کی ضرب کا بوجھ بہت زیادہ وزنی ہوتا تھا۔ اور شہر پناہ کی دیواروں اور قلعہ کے دروازوں کے توڑنے کے کام آتا تھا۔

منجنیق :- ایک کثیر الاستعمال مشین تھی۔ جس کے ذریعہ بڑے بڑے وزنی پتھر غنیم کے لشکر اور محصور شہر کے اندر پھینکے جاتے تھے۔ یہ منجنیکانکس کے یونانی لفظ کا معرب ہے۔ اور علم جر اثقال پر مبنی آلات و مشینوں کی قدیم ترین ایجاد۔ عربوں نے بھی اپنی جنگوں میں اس سے کام لیا ہے۔ یہ گویا قدیم زمانے کی توپ تھی۔ پتھر کے بڑے بڑے گولے جب اس سے پھینک کر اڑائے جاتے تھے تو ان کی ضرب دیواروں اور قلعوں پر نہایت سنگین پڑتی تھی۔

آتش فشاں منارے :- لکڑی کے بنائے جاتے تھے۔ اس کے نیچے پہیے لگے ہوتے تھے تاکہ گاڑی کی طرح نقل و حرکت ممکن ہو۔ اس کی کئی منزلیں ہوتی تھیں۔ ان میں بیٹھ کر حملہ آور محصورین کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور ان کے برجوں سے آتشیں روغن کو شہر کی دیواروں اور عمارتوں

اس کی عادت ہے کہ اپنی کسی جابر مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا ہے پھر وہ اس کے تخت حکومت کو الٹ دیتی ہے۔ غلامی و محکومی کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دیتی ہے۔ اور عزت ملی اور شرف قومی کی روح اس کے اندر سے کھینچ لیتی ہے !!

رومیوں کا یہ حملہ یہودیوں کے لئے اسی غضب الٰہی کی آخری سزا تھی جس کے بعد بنی اسرائیل کی عظمت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا ہے ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ (بخت نصر) اور بابلیوں کا ورود پہلا عذاب تھا۔ اور یہ آخری الٰہی دو عذابوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے کہ :-

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا، فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید، فجاسوا خلال الدیار، وکان

اور ہم نے بنی اسرائیل سے اپنی کتاب تورات میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم ضرور زمین پر دو مرتبہ فساد میں مبتلا ہوگے اور اپنی بداعمالیوں میں مغرور ہو کے نہایت سخت زیادتیاں کروگے، تو اے بنی اسرائیل کے لوگو! جب تم پہلی دفعہ فساد و عدوان کا پہلا وقت آیا، تو ہم نے تمہارے مقابلے میں (بابل کے) ان لوگوں کو بھیج دیا جو نہایت جابر سخت گیر تھے۔ وہ تمہاری بستیوں کے اندر پھیل گئے (اور وہ سب کچھ کیا جو انکو کرنا تھا)

نے چندہ برج تعمیر کیے۔ اور ان میں بیٹھ کر بیت المقدس پر سنگی گولے برسانے شروع کر دیئے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ وہی بیت المقدس تھا جس کو خدائے ذوالجلال نے اپنی رحمت و برکت کا نشیمن بنایا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے سے جو الٰہی وعدے ہوئے تھے۔ ان کے ایفا کا پہلا گھر اسی میں تھا۔ بنی اسرائیل کی عظمت و جبروت سے سیلاب اسی کی شہر پناہ سے نکلتے تھے۔ اور دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سرزمینوں کو مع ان کے بسنے والوں کے بہالے جاتے تھے۔ مگر انہوں نے اس پیمان وعہد کو توڑ دیا۔ جو مصر کی غلامی سے نجات پانے کے بعد خداوند قدوس سے سینا کے پہاڑ پر باندھا تھا جب وہ طرح طرح کی بداعمالیوں اور فسق و فساد میں مبتلا ہو گئے تو رحمت الٰہی ان سے روٹھ گئی۔ اور اس نے اپنی برکت کی جگہ اپنے قہر و غضب کو بھیج دیا۔ خدا کا اس دنیا میں سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ وہ کسی قوم سے حکومت و فرمانروائی کی عزت چھین لے۔ اور غیر قوموں کی غلامی و محکومی کی زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈال دے۔ پس یہودیوں کے لئے بھی اب دنیا میں اس سزا کے سوا کچھ نہ تھا۔ (بخت نصر) کی فوج کشی اور بابل کی قید کے بعد (عزیز) کی آہ و زاری نے ان کی سزا کی مہلت بڑھا دی تھی۔ پر انہوں نے اس فرصت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے ضرور تھا کہ آخری غضب الٰہی کسی جابر قوم کے استیلا و تسلط کی صورت میں ظاہر ہو اور وہ جب کسی قوم سے روٹھتا ہے تو

سے مدافعت کا سامان کرنے لگے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ رومیوں کے سے آلاتِ جنگ اور اسلحۂ ہلاکت ان کے پاس نہ تھے۔ اور سنگ باری کے برجوں، عظیم الشان کبشوں اور آتشیں روغن کی بارش کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔
پھر ممکن تھا کہ وہ اس کا جواب دے سکتے۔ مگر قدرت الٰہی کے بھیجے ہوئے عذاب یا اپنے اعمال بد کے قدرتی نتائج کا ان کے پاس کیا جواب تھا؟

فاخذھم العذاب و ھم ظالمون (۱۶ : ۹۰)
پس عذاب الٰہی نے انہیں جا پکڑا اور وہ اپنے ظلموں کی وجہ سے اسی کے مستحق تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصے کے بعد بیرون شہر کی سرحد محاصرین نے فتح کرلی اب رومیوں نے زیادہ شدت اور مستعدی سے قدم آگے بڑھائے اور کوہ (زیتون) کی مشرقی فوج نے اپنی منجنیقوں کا رخ مقدس (ہیکل) کی جانب کر دیا۔ ساتھ ہی مشتعل روغنی (نفت) کی بارش بھی شروع کر دی۔ آج کل عربی و فارسی میں کروسن تیل کو نفت کہتے ہیں۔ مگر یہ ایک دوسرا معدنی تیل تھا جو نہایت سریع الاحتراق تھا۔ اور جس مقام پر پڑتا تھا مجرد ایک دوسرے تیل کے پڑنے کے اس سے شعلے بھڑکنے لگتے تھے۔ قدیم زمانے کی بہت سی متمدن قوموں نے اس کو استعمال کیا ہے۔ اور جنگ صلیبی کے عہد میں بزمانۂ محاصرۂ عکہ مسلمانوں نے بھی اس سے کام لیا تھا۔
یہودی اب نہایت مضطرب ہوئے۔ کیونکہ منجنیقوں کے گولے، اور

وعداً مفعولاً۔ اور اللہ کے وعدے کو پورا ہونا تھا اور وہ
(۱۷:۳) پورا ہو کر رہا۔

یہ قوموں کے اعمال کے قدرتی نتائج ہیں جس بیت المقدس پر ملائکہ
الہی رحمت و برکت کے پھول چڑھاتے تھے۔ آج حملہ آوروں کے برجوں سے
اس پر پتھروں کے گولوں کی بارشں ہو رہی ہے!!

وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

عروج و زوالِ امم کا یہ قانون الٰہی ہے اور اے کاش کہ آج وہ پیروان
اسلام، جن کو خدا نے بنی اسرائیل کی اس عظمت و جبروت کا جانشین بنایا
تھا اور جو اس خلافتِ ارضی کے وارث ہوئے تھے۔ جس کی اہلیت (داؤد)
(سلیمان) کی نسل میں باقی نہیں رہی تھی۔ تاریخ کے ان نتائج غریبہ سے
عبرت پکڑیں اور آنے والے وقت سے ڈریں:۔

کذالک یضرب اللہ الامثال لعلھم اسی طرح اللہ گزشتہ قوموں اور ملکوں کی مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ شاید غافل
یتذکرون۔ قومیں عبرت پکڑیں۔

رومی پیش قدمی

یہودیوں کی حالت اس وقت نہایت افسوسناک تھی۔ بابل کی قید
اور عرصہ کی غلامی نے پھر اسی سیرت اولی پر پہنچا دیا تھا۔ جس سے دریائے نیل
کے کنارے حضرتِ موسیٰ نے انہیں نجات دلائی تھی۔
تاہم اُنہوں نے اس موقعہ پر اپنے تمام قوی کو جمع کیا۔ اور پوری جانبازی

چنانچہ اُنہوں نے شہر پناہ کے اندر سے ایک عمیق سرنگ رومی لشکر گاہ تک کھود دی۔ اور اس کا نتیجہ معاً ظاہر ہوگیا۔ یعنی زمین کے مجوف ہو جانے کی وجہ سے لشکر گاہ کے تمام برُوج دفعتاً بیٹھ گئے۔ رومیوں کو اس سے واقعی سخت نقصان پہنچا اور کئی دن کی متصل محنت کے بعد پھر دوبارہ برُوج تعمیر کئے گئے۔ تاہم جس سازو سامان کے ساتھ وہ آئے تھے اس پر ان نقصانات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ فوج محاصرہ کئے بدستور پڑی رہی۔ دوسری شہر پناہ بھی یہودیوں کو چھوڑ دینی پڑی۔ اور رومانی فوج کا قبضہ اس پر بھی نالبش ہو گئی۔

اب یہودی تیسری شہر پناہ میں محصور تھے اور یہ آخری حفاظت کا نشیمن تھا، کیونکہ اس کے بعد چوتھی شہر پناہ تھی۔ اسی کے اندر ہیکل اعظم اور تمام مقامات مقدسہ تھے، اور اس کے مفتوح ہو جانے کے بعد بچنا دشوار تھا۔

اُنہوں نے ایک کے بعد پھر سرنگیں کھود دیں اور اس محنت و جانفشانی کے ساتھ کہ چند دنوں کے بعد ہی تمام زمین کھوکھلی کر دی۔ اور رومی برجیاں اور عمارات محاصرہ پہلی مرتبہ سے زیادہ نقصان دہ طریقے پر منہدم ہو گئیں جس سے رومیوں کا غیظ و غضب اور بھڑک اُٹھا۔ اور جوش انتقام نے مجنون کر دیا۔ اُنہوں نے اپنی عظیم الشان منجنیقیں اور بڑے بڑے کبش لے کر آخری حملہ بول دیا۔ وہ برابر ہلاکت اور بربادی پھیلاتے ہوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری شہر پناہ میں بھی رخنہ (شگاف)

روغنِ نفت کی پچکاریاں ہیکل کی دیواروں تک پہنچنے لگیں۔ بعض پرانی جنگوں میں انہیں چند منجنیقیں مل گئی تھیں۔ وہ نکالی گئیں اور محصورین کی طرف سے بھی گولہ باری کا جواب دیا جانے لگا۔ لیکن ابھی اس انتظام کو زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ایک اس سے بھی بڑھ کر مصیبت کی خبر ملی۔ یعنی لوگوں نے دیکھا کہ شمالی شہر پناہ کے اندر جا بجا سوراخ ہو گئے ہیں!

اس خبر کے پھیلتے ہی محصورین کے دل بیٹھ گئے۔ ہمتوں نے جواب دے دیا۔ بالآخر مایوس ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ اور اس طرح شہر کی پہلی شہر پناہ پر رومی قبضہ ہو گیا۔

اب دوسری شہر پناہ کے محاصرے کے لئے برج تیار ہونے لگے۔ اس عرصہ میں رومیوں نے بارہا باشندوں سے تسلیم شہر کی درخواست کی۔ سمجھایا کہ اس طرح ان کی جانیں تہہ و تیغ ہونے سے بچ جائیں گی۔ مگر یہودی قید بابل کا تجربہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ہر مرتبہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور بدستور محصور رہے۔

محصورین کی آخری سعی:-

اسلحہ کے باب میں یہودی رومیوں سے بہت کمزور تھے۔ اس لئے رُو در رُو مقابلہ ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ ایک شہر پناہ مسخر ہو چکی تھی اور اس سے قوم کی اخلاقی حالت میں بھی فرق عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے یہودیوں نے اس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ کمزور مگر باتدبیر اقوام کے مشہور ہتھیار "حیلہ طرازی" سے کام لیا جائے۔

بطلِ ادرنہ غازی شکری پاشا

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو جاتے ہیں آگ کی ایک چنگاری بڑے بڑے آتش کدوں اور تنوروں کو شعلوں سے بھر دیتی ہے ایک بیج صدہا سنبلیں اور ہزاروں پھل پیدا کر دیتا ہے۔ بارانِ رحمتِ الٰہی کا ایک شاداب دن، پوری فصل کو سرسبز کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے موتی کا ایک بڑا دانہ، پورے ہار کی عزت بڑھا دیتا ہے۔ ہیرے کا ایک درخشندہ ٹکڑا پورے تاج کے حسن و جمال کے لئے بس کرتا ہے۔ کیوڑے کا ایک درخت پورے باغ کے معطر ہونے کے لئے، گلاب کا ایک قیمتی پھول پورے ایوان و منزل کی رونق کے لئے، اور یہ تمثیل سادہ تر، ایک چراغ پورے کمرے کی روشنی کے لئے کافی ہوتا ہے!

پڑ گئے

حزقیل نبی کی پیشین گوئی

اس سے بھی بڑھ کر مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ آتش انگیز روغن نفت کی بارش نے مقدس ہیکل کی دیواروں تک پہنچنا شروع کر دیا تھا بدبخت یہودیوں نے ہر چند کوشش کی، مگر اپنی ہزار سالہ عظمت کے گھر کو نہ بچا سکے۔ اصل یہ ہے کہ اب اسرائیل و اسحاق کا خدا بھی اسے نہیں بچانا چاہتا تھا۔ اس کا بڑا حصہ آتش زدگی سے برباد ہو گیا۔ اور گنبدوں اور میناروں میں سنگی گولوں سے سوراخ پڑ گئے۔ (حزقیل) نبی نے کہا تھا "میں ہیکل کے گنبد کو پر غیر قوموں کے لگے ہوئے دھبے دیکھ رہا ہوں" بالآخر اس بد بخت اور خدا کی مغضوب قوم کی آخری سزا کی تکمیل ہو گئی، اور عروج و زوال امم کے "قانون الٰہی کے نفاذ کو کوئی انسانی سعی روک نہ سکی"۔ رومیوں کے برجوں کی گولہ باری کا اب جواب ممکن نہ تھا۔

خاتمہ :-

ایک دن صبح کو یہودیوں نے دیکھا کہ رومی لشکر عظیم قتل و غارت اور نہب و سلب کے ہتھیار ہاتھوں میں لئے، آخری شہر پناہ سے اندر داخل ہو رہا ہے :- پس وہ بستیوں اور آبادیوں میں پھیل گئے

فجاسوا خلل الدیار اور اللہ کے وعدے کو پورا ہونا تھا اور

وکان وعدا مفعولا پورا ہو کر رہا۔

ـــــــــــــ

پوشیدہ رکھتے ہیں ـــ؟

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص :: قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں

یہ قاعدہ طبعی ہے کہ کوئی زمین خواہ کیسی ہی بنجر نظر آئے، اور خواہ کتنی ہی اسباب و وسائل کشت کاری اور تربیت و پرورش زرعی سے محروم ہو۔ لیکن اگر اس کی قوتِ نشوونما بالکل معدوم نہیں ہوگئی ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی گوشہ سرسبز، اور کسی نہ کسی کونے میں کوئی بیج سربرآور نظر آئے گا، اور ایسا ہونا اس امر کی دلیل سمجھا جائے گا۔ کہ گو اس زمین کو اپنے خزانہ ہائے نباتاتی کے ظہور کے وسائل حاصل نہیں، اور اسباب و ذرائع سے محروم ہو کر بنجر اور غیر شاداب سی ہوگئی ہے۔ تاہم اسکی قوت نشوونما اب تک آمادہ ظہور و ارتقاء ہے۔ اور اگر دہقان کا ہاتھ اور بارانِ رحمت کی نظر بستہ آجائے تو فوراً اُس کی حالت میں، انقلابِ عظیم ہو سکتا ہے!

بعینہٖ یہی حال سرزمین حیاتِ ملت کا بھی ہے۔ گو اسکی تمام سطح سرسبزی و شگفتگی کی جگہ خشکی و وحشت کا منظر ہو۔ تاہم اگر کسی ایک گوشے میں بھی چند سبز شاخیں اور پتے نظر آرہے ہوں، تو نا اُمید نہ ہونا چاہیئے۔ اور سمجھنا چاہیئے کہ اسکی قوت نشوونما ابھی تک فنا نہیں ہوئی۔ اور دہقان کی محنت اور ابر کی بخشش اگر ساتھ دیں، تو کچھ بعید نہیں کہ یہی وحشت کدہ ارضی، ایک جنت سماوی بن جائے!

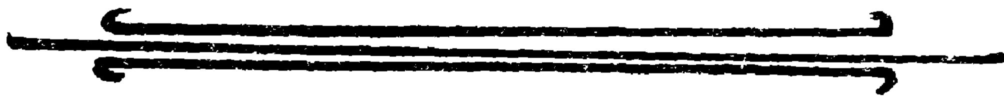
یہی حال قوموں اور ملکوں کا بھی ہے۔ قوموں میں جب زندگی آتی ہے
تو ہزاروں افراد کے ذریعہ نہیں بلکہ ہمیشہ سرچشمۂ حیات ایک یا ایک سے
زیادہ چند نفوس قلیلہ و عدیدہ ہی میں ہوتا ہے اس عالم کی زندگی قوموں
سے ہے۔ مگر قوموں کی زندگی صرف اشخاص کے دم سے وابستہ ہے۔ سرزمین
انسانیت میں جب ایک عمدہ بیج بار آور ہو کر سر اٹھاتا ہے تو اس سے
صدہا شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور ان میں ہزارہا ترو تازہ پھل لٹکنے لگتے ہیں۔
پس باغ کی زمین کی طرح اس زمین کی شادابی کے لئے بھی بہت سی
خاردار اور بے ثمر جھاڑیوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی
درخت کی۔

ایک ہی انسان چاہیئے، جو انسان ہو، اور ایک پوری قوم اور ایک
پورے ملک کو زندہ کر دے۔ اس عالم کی رونق اقوام کے دم سے وابستہ
ہے مگر اقوام کی زندگی صرف اشخاص ہی کے دم سے وابستہ ہے۔ قومیں مرتی
ہیں اور زندہ ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی موت و حیات کے یہی معنی ہیں کہ پہلی
صورت میں اُن نفوس عالیہ سے خالی ہو جاتی ہیں، جن کے دم سے
ان کی زندگی وابستہ تھی، اور دوسری حالت میں ان کے اندر ایسے وجود
قدسیہ موجود ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کے سرچشمے سے پوری قوم کے کشتِ
اقبال کو سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں۔

کیا نہیں دیکھتے کہ کتنے آدمی ہیں، جن کا مرنا قوموں کا مرنا ہوتا ہے
اور کتنے ہیں جو اپنے ظہور کے اندر ایک پوری قوم اور ملک کی زندگی کو

تدبیر (۲۲ : ۷) مشکل بات پر قادر ہے!

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد



ختم شد

۵

آج صدیوں سے سرزمین اسلام پر جو تنزل و انحطاط قلب و دماغ طاری ہے اس کا منظر یقیناً درد انگیز ہے۔ لیکن اس مایوسی میں جو چیز اُمید دلانے والی ہے وہ صرف یہ ہے کہ باایں ہمہ، خشک سالی اور قحط کے آثار گو ہر طرف ہیں۔ مگر زمین اب تک بنجر اور شور ثابت نہیں ہوئی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ زمانۂ شاداب اور موسم نمو خیز اب چلا گیا، جب ہماری زمین کے ایک ایک ذرّے سے ناموران عالم اور ابطالِ ملّت اُٹھتے تھے اور دنیا کی تاریخ کے بڑے سے بڑے صفحوں پر قابض ہو جاتے تھے۔ تاہم اب بھی جب کبھی اسباب و وسائلِ ظہور جمع ہو جاتے ہیں تو کہیں نہ کہیں سے صدائے ابطال و امجاد کانوں میں آجاتی ہے اور عالم اسلامی کا کوئی نہ کوئی گوشہ اوصاف و خصائل گرانمایہ کا نمونہ پیش کر دیتا ہے اور اس طرح یقین ہو جاتا ہے کہ زمین کی قوتِ نشو و نما اب تک معدوم نہیں ہوئی۔ اور یاس و قنوط کے وقت میں ابھی دیر ہے۔ اب بھی اگر اس زمین کی درستگی کی جائے اور وسائل زراعت مہیّا ہو جائیں تو اس کا چپہ چپہ گلہائے عطر بیز اور درخت ہائے شاداب سے لہلہا سکتا ہے۔

ذالک بان اللّٰہ ھو الحق اس لئے کہ اللہ اور اس کی پُراسرار قوتیں واَنّہ یحی الموتیٰ برحق ہیں اور اس لئے کہ وہ مُردوں کو زندہ وانّہ علیٰ کل شیٔ کر دیتا ہے اور نیز اس لئے کہ وہ ہر مشکل سے

نوعیت کے تمام نصابوں کے لئے ناگزیر کتاب ہے قیمت ۔ ۲۵ روپے

عیدین :۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دو مختصر لیکن جامع خطبات ۔
مولانا ابوالکلام آزاد کے زورِ قلم کا ایک شاہکار جو عرصہ سے نایاب تھا اب شائع ہو گیا ہے ۔ قیمت ۷ روپے

جامع الشواہد :۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

کیا غیر مسلم مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں ۔ اس موضوع پر لکھی گئی مولانا ابوالکلام آزاد کی مستند جامع اور مختصر کتاب ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ قیمت ۔ ۸ روپے

ہجر و وصال :۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

" البلاغ " کے وہ نایاب مضامین جن کی آج پھر شدید ضرورت ہے عرصے سے نایاب تھے ۔ ایک بار پھر کتاب کی شکل میں دستیاب ہیں ۔ قیمت ۔ ۱۵ روپے

ولادتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) از مولانا ابوالکلام آزاد

پیارے رسولؐ کی ولادت کے پیارے حالات ۔ جس کے مطالعے

ڈرامہ نگاری کا فن :- از پروفیسر محمد اسلم قریشی

اُردو ڈرامہ نگاری کے فن پر پہلی مستند تصنیف جس میں ڈرامے کے فن۔ اُسکی ابتداء اور ارتقاء کا تفصیلی مطالعہ اور ڈرامہ کی ابتداء اس کے عہد بہ عہد ارتقاء کا تحقیقی جائزہ ہے۔ قدیم سے جدید ڈرامہ تک کی تصاویر پوری کتاب کے مطالعے کے بعد آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ قیمت :- ۳۵ روپے

اقبال کا فلسفۂ خودی :- از پروفیسر محمد عثمان

پروفیسر محمد عثمان نے اقبال کے فنی کمالات اور فلسفۂ خودی پر ایک نئے انداز و نئے زاویے سے نظر ڈالی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اقبال نے فلسفۂ خودی کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ یہ کتاب اقبالیات پر ایک نیا اور گرانقدر اضافہ ہے قیمت :- ۳۰ روپے

جدید تعلیمی نفسیات :- از ڈاکٹر عبدالرؤف

ڈاکٹر عبدالرؤف ہندو پاک کے مشہور ماہر نفسیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب نہ صرف جدید تعلیمی تدردں سے روشناس کراتی ہے بلکہ روزمرہ پیش آنے والے تعلیمی مسائل۔ تعلیم کے جدید نظریات اور عملی رجحانات کی نشاندہی کرتی ہے یہ کتاب تعلیمی نفسیات کے بنیادی

سے ایک خاص کیف ملتا ہے ۔ حالانکہ اس موضوع پر بہت سی تصانیف سامنے آچکی ہیں ۔ مگر مولانا ابوالکلام آزاد کا انداز جدا ہے ۔ قیمت ۸ روپے

قرآن کا قانون عروج و زوال از مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ ایک اچھوتی اور منفرد تصنیف ہے جس میں عروج و زوال کے فطری اصول ۔ حقیقت اسلام ۔ وحدت اجتماعیہ عزم و استقامت وغیرہ موضوعات پر بہت عمدہ بحث کی گئی ہے ۔ قیمت ۔ ۱۵ روپے

فلسفہ :۔ از مولانا ابوالکلام آزادؒ ۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے فلسفہ کے مالہ وما علیہ پر مبسوط تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا فلسفہ کی ایک نئی تاریخ لکھی جانی چاہیئے یعنی ایسی تاریخ جس کے دامن پر فرسودہ نظریات کی تہمیں جمی ہوئی نہ ہوں ۔

زیر نظر کتاب مولانا کے انداز نگارش کا بیش قیمت نمونہ ہے ۔ قیمت ۱۰/ روپے

حضرت یوسف علیہ السلام :۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ ۔

یوں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی بہت سے حضرات نے قلم بند کئے ہیں مگر موصوف نے اپنی کتاب میں ان حقائق کو بیان کیا ہے جن کی مطابقت قرآن پاک سے ہوتی ہے ۔

قیمت ۔ ۱۰/ روپے